اللہ اکبر

تاریخ القرآن



مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

۷۸۶

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

تاریخ القرآن

جس میں

قرآن کے ابتدائے نزول سے لیکر آج تک کے تمام تاریخی حالات اور اس کے متعلق
ہر قسم کی معلومات اور لطیف علمی مباحث نہایت تحقیق اور اختصار کے ساتھ مختلف
زبانوں کی مستند کتابوں سے اخذ کر کے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

باہتمام حافظ محمد عبداللطیف صاحب

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوئی ۱۳۴۱ھ

بار دوم ۱۰۰۰ نسخے

مصنف نے علیگڑھ سے شائع کی

فہرست مضامین

کتاب

تاریخ القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَنزَلَ القُراٰنَ لِلھِدَایَۃِ اِلَی الصِّرَاطِ المُستَقِیمِ وَ کَفیٰ - وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رَسُولِہِ النَّبِیِّ الاُمِّیِّ المُصطَفیٰ - وَ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفیٰ - اَمَّا بَعدُ - میں نے یہ کتاب تاریخ القرآن ۱۳۲۵ھ میں لکھی تھی جبکہ میری عمر بھی کم تھی اور میرا علم بھی اب سے زیادہ محدود تھا - لیکن مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کا جو اعزاز و احترام ہے اس کی وجہ سے انہوں نے اس کی قدر کی اور یہ بعض بعض اسلامی کالجوں اور اسکولوں کے دینیات کے نصاب میں بھی داخل کر دی گئی۔

تقریباً سات برس کا زمانہ ہوا کہ اسکے نسخے ختم ہو گئے - چونکہ بعض وجوہ سے یہ کتاب میری نظر سے گر گئی تھی اس لئے باوجود اس کے کہ اس کی مانگ بہت زیادہ تھی میں نے اس کو دوبارہ چھپوانا پسند نہ کیا - اور بعض بعض اہلِ مطابع نے جو اسکے چھاپنے کی درخواست کی اُن کو بھی اجازت نہ دی - لیکن احباب کے اصرار اور قوم کے پیہم تقاضے سے آخر مجبور ہونا پڑا - لہٰذا ازسرِنو اس کی ترمیم و اصلاح کی - پہلے

نسخہ میں بہت سی غیر ضروری باتیں تھیں ان کو خارج کیا۔ اور انکے بجائے مفید اور ضروری مضامین بڑھائے اور خود قرآن ہی سے اس میں زیادہ مدد لی۔

جس قدر آیتیں نقل کی ہیں آسانی کے لئے ہر ایک کا نشان دیدیا ہے۔ اوپر سورہ کا اور نیچے آیت کا عدد لکھ دیا ہے

مجھے امید ہے کہ اب یہ کتاب انشاء اللہ زیادہ سودمند ثابت ہوگی۔

وَھُوَ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ۔

محمد اسلم جیراجپوری
۷ ربیع الاوّل ۱۳۴۱ھ

استاد تاریخ و علوم اسلامیہ
جامعہ ملّیہ اسلامیہ علی گڑھ



تمہید

اللہ تعالیٰ نے نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جس ملک اور جس قوم میں پیدا کیا اس میں صرف چند شخص تھے جنھوں نے اپنے تجارتی کاروبار کی ضرورت سے لکھنا سیکھ لیا تھا۔ ورنہ بالعموم وہ "اُمّیین" یعنی ناخواندہ لوگ تھے چنانچہ اسی لفظ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب فرمایا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ۶۲/۲	وہی (اللہ) ہے جس نے ان پڑھوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

عربی خط

عربی خط کے موجد اہل یمن ہیں جن کے یہاں حمیری سلطنت قائم تھی۔ حیرہ میں جب آل منذر کی حکومت قائم ہوئی تو یہاں کے لوگوں نے بھی اہل یمن سے کتابت سیکھی۔ یمنی خط کو خط مسند کہتے تھے۔ وہی حیرہ میں خط حیری کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت عمرؓ نے حیرہ کے متصل عراق کے صدر مقام کوفہ کو جب آباد کیا تو خط حیری نے خط کوفی کا لقب پایا۔

حجاز میں سب سے پہلے حرب بن اُمیّہ نے اپنے ایک رشتہ دار سے جو بادشاہ
حیرہ کے دربار میں رہتا تھا کتابت اخذ کی۔ ان کے بعد چند دیگر اشخاص نے جنہیں
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بھی تھے اس کو سیکھ لیا۔

لیکن یہ لوگ صرف اس قدر لکھنا پڑھنا جانتے تھے کہ اپنی تجارت کے کاروبار
کا ضروری حساب و کتاب لکھ سکیں۔ نہ کوئی باقاعدہ اس کی تعلیم تھی نہ شوق تھا۔

شاعروں کے قصیدے۔ کاہنوں کے قصّے اور اہم واقعات زبانی یاد رکھے
جاتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ اگر کوئی قصیدہ ملک میں لاجواب تسلیم کر لیا جاتا
تھا تو اسکو لکھکر خانۂ کعبہ میں لٹکا دیتے تھے۔ لیکن اس سے صرف اس کا اعزاز مدنظر
ہوتا تھا نہ کہ اس کی اشاعت۔

اہل کتاب یعنی یہود و نصارا میں سے بعض بعض حبر یا راہب خاص خاص حصّے آسمانی
کتابوں کے مذہبی غرض سے اپنے پاس رکھتے تھے۔ لیکن یہ کتابیں اس وقت تک
عبرانی زبان میں تھیں۔ ان کے کسی جزو کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ترجمہ کا
خیال پیدا ہوا تھا۔ کیونکہ سامان کتابت کی دشواری کی وجہ سے اگر وہ اصل کتاب
ہی کا کوئی جزو لکھ لیتے تھے تو غنیمت سمجھتے تھے۔ ترجمہ کرنا تو ایک نہایت مشکل کام تھا۔

الغرض نزول قرآن تک عربی زبان میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی نہ حجاز میں
کوئی مکتب یا مدرسہ تھا جس میں کسی قسم کی مکتوبی یا زبانی تعلیم دی جاتی ہو۔ اور نہ کوئی
تعلیم یافتہ شخص تھا۔

نبیِّ اُمّی

آنحضرتؐ بھی اُمّی اور علم ظاہر سے ناآشنا تھے اور پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے

اور نہ نبوت سے پہلے کوئی مذہبی یا آسمانی کتاب آپ نے پڑھی یا سنی تھی۔ بلکہ کبھی کسی عیسائی یا یہودی عالم کی صحبت میں بھی بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

یہ جو روایت بیان کی جاتی ہے کہ سفرِ شام میں کسی منزل پر ایک راہب جسکا نام بحیرا تھا آنحضرتؐ کے سامنے آیا تھا۔ اور حلیۂ مبارک دیکھکر آپ کی نبوت کی خبر دی تھی اوّلا تو صحیح نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض صحیح مان بھی لی جائے تو یہ ایک روا روی کا واقعہ تھا جو نوعمری میں سفر میں پیش آیا۔ اس سے بعض متعصب عیسائیوں کا یہ کہنا کہ بحیرا نے آپ کو آسمانی کتب کی تعلیم دیدی تھی نہایت نامعقول افترا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ جن کتابوں کو عیسائی خود سالہا سال میں ختم کرتے ہیں ان کی تعلیم دو ہی چار لمحوں میں ہو جائے۔ تعلیم کی دشواریوں سے اور اس میں جو زمانہ لگتا ہے اس سے تو ہر شخص واقف ہے۔

آنحضرتؐ کا اُمّی ہونا اور کسی آسمانی کتاب کی تعلیم نہ پانا ایک ایسی یقینی بات ہے کہ جسکو نہ صرف مسلمان بلکہ مخالفین اسلام بھی مانتے ہیں۔ گبن۔ کارلائل۔ ڈیون پورٹ۔ اور باسورسمتھ سب نے تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ پیغمبر عرب اُمّی تھے۔ راڈویل جس نے قرآن کا بہ ترتیب نزولی ترجمہ کیا ہے لکھتا ہے۔

ہمارے پاس اس امر کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ ہماری کتب مقدسہ کبھی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دستیاب ہوئی ہوں۔

پھر آگے چلکر کہتا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے قابل ہے کہ ہم کو کوئی پتا اس بات کا نہیں لگتا کہ کوئی ترجمہ عہد عتیق یا جدید کا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ سے پہلے

ہوا ہو۔

ریورنڈ جان فنڈر جو بڑا متعصب پادری ہے اس نے بھی لکھا ہے۔

پیغمبر عرب توریت وانجیل نہیں پڑھے تھے۔

خود قرآن کی حالت پر اگر غور کیا جائے تو بہت آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ وہ کسی انسانی تعلیم کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ وحی الٰہی ہے۔ کیونکہ وہ حسب موقع اور حسب ضرورت تیئیس سال تک ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا رہا۔

جس وقت کوئی واقعہ یا سوال پیش آجاتا تھا اُس وقت اُس کے متعلق آیتیں اُترتی تھیں ایسی حالت میں یہ کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ اِن تمام پیش آنے والے واقعات اور سوالوں کے جوابات پہلے سے کسی نے پیغمبر کو سکھلا دیے تھے۔ نبی ہونے سے پیشتر آنحضرت کو اس بات کا وہم بھی نہ تھا کہ ان کو نبوت یا کتاب عطا فرمائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۲۸/۸۶	تجھکو پہلے سے یہ اُمید نہیں تھی کہ تیرے اوپر کتاب نازل کی جائیگی۔ مگر تیرے ربنے اپنی رحمت سے قرآن نازل کیا۔

علاوہ بریں قرآن نے موسوی اور عیسوی بلکہ تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کردیا اور اس کی تعلیمات کتب مقدسہ اور دیگر مذاہب کی کتابوں سے بدرجہا پاکیزہ۔ مکمل اور انسانی ضروریات کو پورا کرنے والی ہیں۔ پھر ایسی صورت میں جبکہ اسکے مقابلہ میں نہ صرف انسانی تعلیمات بے حقیقت ہوگئیں بلکہ خود آسمانی کتب پر بھی اس نے خط نسخ پھیر دیا اس کو کسی انسانی تعلیم کا نتیجہ کہنا بالکل عقل کے خلاف ہے۔ یقیناً قرآن وحی الٰہی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اور اُمّی تھے۔

گو پڑھا لکھا ہونا منصب نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑھے لکھے تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہ سرّ نبوت کی تفصیلی شرح اور علوم باطنی کے سب سے بڑے رازداں تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعلیم کے سوا کسی غیر کی تعلیم کا منت کش بنانا گوارا نہ فرمایا۔ چنانچہ گزشتہ آسمانی کتب میں بھی اُمّیؔ کے لقب کے ساتھ آپ کی بشارتیں دی ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۱۵۶	جو اس رسول نبی اُمّیؔ کی پیروی کرینگے جسکو وہ اپنے یہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (میں ان کے حق میں اپنی رحمت لکھدوں گا)

یہ بھی قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ مَدِیْنَةُ الْعِلْم کا طغرائے لقب اُمّیؔ ہو۔ **شعر**

نگارِ ما کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت — بغمزہ مسئلہ آموزِ صد مدرّس شد



القرآن

اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کی ہدایت اور اصلاح کے لئے ہمیشہ اُنہیں میں سے اپنے خاص خاص برگزیدہ بندوں کو منتخب فرمایا۔ اور ان کو غیب سے بذریعہ وحی کے تعلیم دی۔ یہی بندگانِ خاص نبی یا رسول کہے جاتے ہیں
ان میں سے کسی کسی پر آسمانی کتابیں بھی نازل ہوئیں۔ مثلاً توریت۔ زبور۔ اور انجیل وغیرہ
سب سے آخری آسمانی کتاب قرآن ہے جو نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

وحی

لغت میں مخفی طور پر سرعت کے ساتھ کسی امر کے بتلا دینے کو وحی کہتے ہیں۔ سرعت کا مفہوم یہ ہے کہ جو بات ذہن میں آئے وہ ترتیب مقدمات کا نتیجہ نہو۔ بلکہ ایک دم غیب سے اس کا علم ہوگیا ہو۔
اصطلاح شرع میں وحی اُن علوم الٰہیہ کا نام ہے جو مَلاءِ اعلیٰ سے نبی کے دل پر القا کئے جاتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ انبیاء کو غیب کی جس طریق پر تعلیم دیتا ہے اس کی حقیقت بیان کرنے سے تمام علمی عبارتیں قاصر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ شریعت میں جن الفاظ اور عبارات میں اس کا بیان ہے انہیں سے اقتباس کر کے اس کا ایک تصوّر ذہن میں قائم کیا جائے۔
اس تعلیم غیبی کے چار طریقے بتائے گئے ہیں۔

(۱) رویائے صادقہ۔ یعنی نیند میں سچے خواب نظر آتے ہیں۔ اس قسم کے خوابوں کا ذکر قدیم آسمانی کتابوں نیز قرآن میں بھی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خواب ہی میں دیکھا تھا کہ وہ اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ انبیاء کے خواب برحق ہوتے ہیں۔ ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں۔ دل بیدار رہتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نبوت سے چھ مہینے پہلے سے سچے خواب نظر آتے تھے۔ رات کو نیند میں جو کچھ دیکھتے تھے صبح کو اس کا ظہور روز روشن کی طرح ہو جاتا تھا۔

لیکن رویائے صادقہ صرف نبی کی ہدایت کے لیے ہے۔ اس کے ذریعہ سے اصول شریعت کی تلقین نہیں ہوتی۔ جس طرح طلوع آفتاب سے پہلے صبح صادق نمایاں ہوتی ہے۔ اسی طرح نور نبوت کے ظہور سے پیشتر سچے خواب نظر آنے لگتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رویائے صادقہ نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے۔ اس تناسب کی لطافت دیکھیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ مہینہ تک رویائے صادقہ نظر آتے رہے۔ اور ۲۳ سال تک آپ کی نبوت کا زمانہ رہا۔

(۲) اللہ تعالیٰ بلا کسی توسط کے دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے۔ اس کو وحی یا القاء کہتے ہیں۔

(۳) نبی کو اللہ کا کلام سنائی دیتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰؑ نے طور پر ندا سنی تھی۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرشتہ کو بھیجتا ہے وہ نبی کو اس کے ارادوں اور حکموں سے مطلع کرتا ہے۔ قرآن میں اس فرشتہ کو روح الامین۔ روح القدس اور جبریل کہا ہے۔

آخری تینوں قسموں کا بیان اس آیت میں ہے۔

مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا	اللہ کسی شخص سے کلام نہیں کرتا مگر بذریعہ وحی کے۔ یا
اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا	پردے کے پیچھے سے یا اپنا قاصد (فرشتہ) بھیجتا ہے
فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ ۴۲/۵	وہ اللہ کے حکم سے اسکے حسب منشا وحی کر دیتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جس وقت وحی آتی ہے آپ کے اوپر کیا کیفیت گزرتی ہے۔ فرمایا کہ پہلے جرس کی سی ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ اس کو سنتے ہی میں ہمہ تن متوجہ اور خاموش ہو کر بیٹھ جاتا ہوں۔ پھر وحی کو سنتا ہوں اور یاد کر لیتا ہوں۔ اس حالت میں بعض دفعہ مجھ پر ایسی شدت کی تکلیف گذرتی ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ میری روح قبض کی جا رہی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا۔ اور سر جھکا لیتے تھے۔ جاڑے کے دنوں میں بھی پسینہ آجاتا تھا۔ اور اس کے قطرے پیشانی پر سے موتی کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔

الہام

تعلیم غیبی کا ایک طریقہ الہام بھی ہے۔ لیکن یہ ملا ر اسفل سے ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے تشریعی اصول کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ تکوینی امور بتائے جاتے ہیں۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۹۱/۸	اور اس کی بدی اور نیکی اسکے دل میں ڈال دی۔

قرآن میں بعض جگہ اس قسم کے الہام کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۲۸/۷	ہمنے موسیٰ کی والدہ کو وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلا۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ وحی تشریعی نہیں ہے۔ اس کو صرف اس لئے وحی کہا ہے کہ اس کا القا غیب سے ہوا۔ اسی طرح الہام جبلی کے لئے بھی قرآن میں وحی کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ ۱۶/۶۸	اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی۔

روح القدس

قرآن یہ بتلاتا ہے کہ اس کا نزول تمام تر اس وحی کے ذریعہ سے ہوا جسکو فرشتہ لاکر نبی کے دل پر القا کرتا ہے۔ سورہٗ شعراء میں ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ○ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ○ ۲۶/۱۹۲-۱۹۳	اور بیشک اس قرآن کو پروردگار عالم نے نازل کیا ہے۔ اور اس کو روح الامین نے تیرے دل پر اتارا ہے۔ تاکہ تو اس سے لوگوں کو ڈرائے۔

دوسری آیت ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ○ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ○ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ○ ۸۱/۱۹-۲۰-۲۱	بیشک یہ قرآن ایک قوی اور بزرگ پیغام لانے والے کا قول ہے جو مالک عرش کے نزدیک عزت رکھتا ہے۔ سب کا مانا ہوا اور امانت دار ہے۔

سورہ نحل میں ہے۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ ۱۶/۱۰۲ ۱۰۱	کہدے کہ روح القدس نے قرآن کو تیرے رب کی طرف سے ٹھیک اتارا ہے۔

سورہٗ بقرہ میں ہے۔

قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۲/۹۱	کہدے کہ جو جبریل کا دشمن ہے (وہ کافر ہے) اس نے اللہ کے حکم سے قرآن کو تیرے دل پر اتارا ہے۔

ان تمام آیات سے یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن کو اللہ کے حکم کے مطابق جبریل امین نے لاکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر القا کیا۔

قرآن وحدیث

ابتدائے آفرینش سے بنی نوع انسان کے لئے دین الٰہی صرف اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۛ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۳/۱۹	حقیقت یہ ہے کہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے جان لینے کے بعد محض آپس کی ضد کی وجہ سے اختلاف ڈال رکھا ہے۔

اسی دین اسلام کو ایک جگہ ملت ابراہیمی بھی فرمایا ہے۔

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا ۲۲/۷۸	تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ نے پہلی کتابوں میں تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس میں بھی۔

دوسری جگہ ارشاد کیا ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ ۳/۸۵	جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کریگا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا۔

الغرض یہی دین اسلام ہے جس کی تعلیم کے لیے انبیا رسابقین بھیجے گئے۔ اور اسی کی تکمیل قرآن اتار کر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر کردی گئی۔ اور اس کا اعلان بھی نزول قرآن کے خاتمہ پر کیا گیا۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ ۵/۳	آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا۔ اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر چکا۔ اور دین اسلام کو میں نے تمہارے لیے پسند کیا۔

اہتمام تنزیل

چونکہ قرآن دین الٰہی یعنی اسلام کا آخری اور مکمل مجموعہ ہے اس لئے اس کی تنزیل میں اللہ تعالیٰ نے خاص اہتمام فرمایا۔ اس کو اس رسول پر اتارا جو تمام رسولوں سے افضل تھا اور جو اپنی قوم میں رسالت کے قبل سے امین کے لقب سے ممتاز تھا۔ اور اُتارنے کے لئے اس فرشتہ کو منتخب فرمایا جو ملائکہ میں امین تھا۔ پھر اس کے نزول کے زمانہ میں شہاب ثاقب سے جنّات اور شیاطین کے راستوں کو روک دیا کہ وہ اس میں کوئی آمیزش نہ کر سکیں۔ اور اُتارنے کے بعد اس کی حفاظت خود اپنے ذمّہ لی اور فرمایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ۱۵/۹ | ہمیں نے قرآن کو اُتارا ہے اور ہمیں اسکے محافظ رہیں گے۔

اسی مبارک کتاب کو اسلام کا نصاب مقرر فرمایا اور حکم دیا

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ ۶/۱۵۶ | اور یہ کتاب جسکو ہمنے اُتارا ہے مبارک ہے تم اسکی پیروی کرو

اس کتاب کی عظمت اور برکت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس رات میں اسکا آغاز نزول ہوا یعنی شب قدر اس کو ہمیشہ کے لئے اللہ تعالےٰ نے ہزار مہینوں سے افضل کر دیا۔ اور جس مہینہ میں اس کو اُتارا اس کو روزہ کا مبارک مہینہ قرار دیا۔ اور اس میں اعمال کے درجات و فضائل میں بیحد اضافہ فرما کر اس کو رحمت اور مغفرت کا مہینہ بنا دیا۔

الغرض یہ کتاب نہایت عظیم الشان آسمانی رحمت ہے جس کا اندازہ اس وقت تک انسان نہیں کر سکتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کرے۔ اللہ تعالےٰ نے خود اس کی عظمت کے بارے میں فرمایا ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ	اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتار دیتے تو تو دیکھتا کہ
خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ۵۹/۲۱	وہ اللہ کے ڈر سے لرز اٹھتا اور پھٹ جاتا۔

حقیقت حدیث

لیکن کتاب کے لئے معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے جس طرح قرآن کی تبلیغ کا فرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھا۔ اسی طرح اس کی تعلیم بھی آپ ہی کے ذمہ تھی۔ چنانچہ آنحضرت ؐ نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک لوگوں کو سنا دیا۔ لکھا دیا۔ یاد کرا دیا۔ اچھی طرح سمجھا دیا۔ اور خود اس کے جملہ احکام پر عمل کر کے دکھلا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ حقیقت میں قرآن کی عملی اور قولی تفسیر تھی۔ آپ کے انہیں اقوال یا اعمال کے بیان کو حدیث کہتے ہیں۔ یہ حدیث کا سرمایہ اُمت میں بسلسلۂ روایت منقول ہوتا چلا آیا۔ اور ہجرت نبوی کے تقریباً ایک صدی کے بعد کتابوں میں مدوّن ہونا شروع ہوا۔

قرآن و حدیث میں فرق

اب قرآن اور حدیث میں جو فرق ہے وہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

(۱) قرآن کلام الٰہی ہے۔ اور حدیث رسول اللہ کے قول یا عمل کے بیان کو کہتے ہیں۔

(۲) قرآن کا سرچشمہ لوح محفوظ ہے۔ اور حدیثیں جیسا کہ امام شافعی وغیرہ کا قول ہے پیغمبر نے خود قرآن سے مستنبط فرمائی ہیں۔

(۳) قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حفاظت کے ساتھ لکھوایا اور لوگوں کو یاد کرایا۔ اور حدیثوں کو نہ لکھوایا نہ یاد کرایا۔ بلکہ عام حکم آپ کا یہ تھا کہ (لَا تَكْتُبُوْا عَنِّیْ غَیْرَ الْقُرْاٰنِ) مجھ سے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو۔

(۴) قرآن بعینہٖ اُنہیں الفاظ میں ہے جن میں وہ عرش سے نازل ہوا اور جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو سُنایا۔ اور حدیث کا زیادہ تر حصّہ بالمعنیٰ روایت کیا گیا ہے۔ یعنی راویوں نے اپنے الفاظ میں مضمون کو ادا کیا ہے۔

(۵) قرآن کی حفاظت اللہ تعالےٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اور حدیث کی حفاظت راویانِ حدیث کے ذمّہ ہے۔

(۶) قرآن کے لفظ لفظ کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک قطعی اور یقینی ہے لیکن حدیثیں بجز اُن روایتوں کے جو متواتر تسلیم کی گئی ہیں باتفاق محدثین ظنیّ سے آگے نہیں بڑھتیں۔

(۷) قرآن میں ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بھی نہ کوئی بڑھا سکتا ہے نہ گھٹا سکتا ہے بخلاف اس کے ہزاروں جھوٹی اور غلط روایتیں لوگوں نے گھڑ کر حدیثوں میں شامل کر دیں جن کی وجہ سے ائمہ حدیث کو علم الاسناد اور فن رجال مدوّن کرنا پڑا۔ اور بڑی دقّت پیش آئی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی باتوں میں دونوں میں فرق ہے۔ مثلاً قرآن کی تلاوت کا حکم ہے اور حدیث کی تلاوت کا کوئی حکم نہیں ہے۔ قرآن نماز میں پڑھا جاتا ہے لیکن اس کے بجائے حدیث پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی۔ قرآن معجزہ ہے اور حدیث معجزہ نہیں ہے۔

یہاں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حدیث کی تنقیص مقصود ہے۔ بلکہ صرف اس واقعی تفاوت کا بیان کرنا مدنظر ہے جو ان دونوں کے مراتب میں ہے۔

قرآن مجید کے ان تمام امتیازات کو دیکھنے اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ وہ دین اسلام اور

تعلیم الٰہی کا ایک مکمل اور بے شائبہ مجموعہ ہے اُمت کے اُن فرقوں پر تعجب آتا ہے جو حدیث کے مرتبہ کو قرآن کے برابر رکھتے ہیں۔ خاص کر ان لوگوں پر اور حیرت ہوتی ہے جو تعارض کی صورت میں کبھی کبھی حدیثوں کو قرآن کا ناسخ قرار دیدیتے ہیں۔

اصل دین قرآن ہے

حقیقت یہ ہے کہ اصل دین اسلام صرف قرآن ہے۔ وہ معین الفاظ میں حفاظت کے ساتھ اللہ کے پاس سے اُترا ہے۔ اس میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مطلق تصرف کا اختیار نہ تھا۔ لیکن اس کو سکھلانے اور سمجھانے اور اس کے احکام کو نافذ اور رائج کرنے میں ہدایات اور احکام کی ضرورت تھی جو حسب موقع اور حسب ضرورت پیغمبر نے دیئے۔ ان ہدایات اور احکام سے جو کام لیا جاسکتا ہے وہ صرف قرآن کی تشریح اور تفسیر ہے نہ کہ تنسیخ اور ترمیم۔

نزولِ قرآن

قرآن کی حقیقت میں بعض باریک بیں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے قرآن کلام نفسی ہے یعنی صرف معانی کا نام ہے الفاظ اس میں داخل نہیں ہیں۔ دوسرا گروہ الفاظ اور معانی کے مجموعہ کو قرآن کہتا ہے۔

مسئلہ خلق قرآن

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ خلافت عباسیہ میں جب مسلمانوں میں فلسفہ پھیلا تو یہ ناگوار بحث قرآن کے متعلق چھڑ گئی کہ وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ معتزلہ کا قول تھا کہ مخلوق ہے۔ اور اہل سنت اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہتے تھے۔ مگر چونکہ اس کے الفاظ

پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ ہماری زبان سے نکلتے ہیں اس لئے حادث ہیں لہذا بعض لوگوں نے یہ تاویل کی کہ قرآن صرف معانی کا نام ہے۔ الفاظ اس میں داخل نہیں ہیں۔

مامون عباسی کے زمانہ میں یہ چرچا زیادہ پھیلا اور بہت سے ائمہ اہل سنت جو قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے قید کئے گئے اور کوڑوں سے پٹوائے گئے خاصکر امام احمد بن حنبل۔ اس سخت گیری کی وجہ سے تعصب اور بڑھ گیا۔ اور بعض حنبلیوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ قرآن معہ کاغذ اور دفتیوں کے غیر مخلوق ہے اور بہت سی حدیثیں اس قسم کی روایت کیں جن سے یہ ثابت ہو کہ قرآن معہ الفاظ کے لوحِ محفوظ میں تھا۔

طبرانی نے اس قسم کی ایک عجیب وغریب روایت لکھی ہے کہ

> جو قرآن لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس کا ہر حرف مثل کوہ قاف کے ہے۔ اور اسکے ذیل میں اسقدر لاانتہا معانی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی نہیں جانتا۔

معنی تنزیل

اسی اختلاف کی وجہ سے تنزیل کے معنی میں بھی اختلاف پڑ گیا۔ جو لوگ صرف معانی کو قرآن کہتے ہیں ان کے نزدیک تنزیل ایسے حروف اور کلمات کے اظہار کا نام ہے جو اُن معانی پر دلالت کریں۔ اور جو لوگ الفاظ اور معانی دونوں کو قرآن میں شامل سمجھتے ہیں ان کے نزدیک تنزیل کے یہ معنی ہیں کہ وہ الفاظ لوح محفوظ سے نقل ہو کر نبی کی زبان سے سنائے جائیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اس پیچیدہ بحث کا اس طرح فیصلہ کرتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ گلستاں شیخ سعدی کی کتاب ہے۔ پانچسو سال اسکو تصنیف کئے ہوئے ہوگئے وہ صفحوں میں لکھی ہوئی ہے۔ زبانوں سے پڑھی جاتی ہے۔ ذہنوں میں اسکے معانی محفوظ ہیں تو یہ سب درست ہے۔ کیونکہ ان تمام باتوں کا حقیقی مصداق موجود ہے۔ شیخ سعدی اسکے مصنّف ہیں اس لحاظ سے کہ اس کے الفاظ اور معانی کی ترتیب اُنھیں کی قوت عقل سے حاصل ہوئی ہے۔ صفحوں میں خط کی صورت میں وہی الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ آواز کی شکل میں وہی زبانوں سے نکلتے ہیں۔ اور ذہنوں میں ان کے معانی آتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کے معانی اور الفاظ کی ترتیب اللہ کی طرف سے ہے۔ مصاحف میں خط کی صورت میں وہ لکھا ہوا ہے۔ زبانوں سے آواز کی شکل میں اسکے الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ ذہنوں میں اس کے معانی آتے ہیں۔ اس پر یہ بات بھی اضافہ کرو کہ وہ قدیم ہے کیونکہ لوح محفوظ میں ازل سے اسکی ایک صورت موجود تھی۔

شاہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جمہور کا جو عقیدہ ہے کہ قرآن قدیم اور غیر مخلوق ہے اور الفاظ اور معانی دونوں کو شامل ہے یہ نہایت سلجھا ہوا اور صحیح عقیدہ ہے۔ اور اسکے سمجھنے میں بھی دقت نہیں کیونکہ عرف عام کے مطابق ہے۔

ابتدائے نزول

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی سے اُنسیت تھی۔ اور نبوت سے پیشتر غار حرا

میں جو مکہ سے چند میل پرہے عبادت کے لئے تشریف لیجایا کرتے تھے۔ جب سے رویائے صادقہ نظر آنے لگے اس وقت سے اور بھی اس حال میں اضافہ ہوگیا کئی کئی راتیں وہیں گذار دیتے تھے۔ اور اپنے ہمراہ توشہ لے جاتے تھے۔ جب وہ ختم ہوجاتا تھا تو حضرت خدیجہ کے پاس آتے تھے اور پھر توشہ لے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک بار حسب معمول اسی غار میں عبادت میں مصروف تھے کہ فرشتہ وحی لے کر آیا اور کہا کہ پڑھ۔ آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اُس نے پکڑ کر اپنے سینے سے لگا کر اس قدر زور سے دبایا کہ آپ بے حال ہوگئے پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھ۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ تین بار اسی طرح ہوا۔ آخر اُس نے کہا کہ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۙ

آں حضرت نے ان آیتوں کو دہرایا۔ پھر وہ فرشتہ چلا گیا۔

اس غیر متوقع اور عجیب وغریب حالت پیش آنے کی وجہ سے آپ خوف زدہ ہوگئے وہاں سے لرزتے ہوئے گھر آئے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ مجھے چادر اُڑھا دو۔ جب خوف جاتا رہا۔ اور طبیعت کو سکون ہوا تو خدیجہ سے اس کیفیت کا اظہار کیا۔ اُنہوں نے آپ کو تسلّی دلائی اور کہا کہ آپ نیکی کرتے ہیں۔ صدقہ دیتے ہیں۔ مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مہماں نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کریگا۔ اس کے بعد وہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو عیسائی ہوگئے تھے اور آسمانی کتابیں پڑھا کرتے

تھے۔ ان سے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔ ورقہ نے کہا کہ یہ فرشتہ جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا ہے ناموس اکبر ہے۔ یہی حضرت موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔ یہ یقیناً اس قوم کے نبی ہونگے۔ ان سے کہدو کہ ثابت قدم رہیں۔ انکی قوم ان کو جھٹلائیگی۔ اذیت دیگی اور یہاں سے نکالیگی۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو ضرور ان کی مدد کروں گا۔

تاریخ نزول

آغاز نزول قرآن شب قدر میں ہوا۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ	۹۷/۱	ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں۔

اور جس مہینہ میں اس کا نزول ہوا وہ رمضان ہے۔

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ	۲/۱۸۱	رمضان کا مہینہ جسمیں کہ قرآن اتارا گیا ہے۔

یعنی آغاز نزول ہوا۔ کیونکہ اس کے بعد پھر نزول قرآن کے لئے کسی مہینہ اور دن کی تخصیص نہ تھی۔

شب قدر جمہور اہل اسلام کے نزدیک رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں کوئی طاق رات ہوتی ہے بعض مورخین آغاز نزول قرآن کی تاریخ ۲۵ رمضان قرار دیتے ہیں۔ اس تاریخ کو قمری حساب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال چھ ماہ اور سولہ روز کی ہوگی۔ اور شمسی حساب سے ۳۹ برس تین مہینے سولہ دن کی۔ یہ تاریخ مطابق ہوگی ۶ اگست سنہ۶۱۰ء کے۔

اس کے بعد کچھ زمانہ تک وحی نہیں نازل ہوئی۔ پھر سورہ المدثر اتری۔ اس وقت سے ٹکڑے ٹکڑے حسب موقع اور حسب ضرورت تیئیس سال تک یعنی جب تک نبی

صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں رہے قرآن نازل ہوتا رہا۔ اس کے نزول کی کوئی جگہ یا کوئی ساعت یا کوئی مقدار معین نہ تھی۔

تفریق نزول

قرآن کے ایک ہی بار نہ نازل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب وغریب حکمت مخفی تھی۔ وہ یہ کہ جب ایک چیز تھوڑی تھوڑی بتدریج ملتی ہے تو طبیعتیں آسانی سے قبول کرتی چلی جاتی ہیں۔ چنانچہ قرآن ایک ایک دو دو آیت کرکے اترتا گیا اور لوگ اسکو تسلیم کرتے گئے۔ اگر ایک ہی بار اس کا نزول ہو جاتا تو ممکن تھا کہ بعض لوگ اس سے گھبرا جاتے۔ کیونکہ اس میں بہت سے فرائض اوامر اور نواہی ہیں جو یکبارگی ملنے کی صورت میں دلوں پر بار ہو جاتے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن کی وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں زیادہ تر جنت اور دوزخ کا ذکر تھا۔ جب لوگ مسلمان ہونے لگے تو پھر رفتہ رفتہ حلال اور حرام کے احکام اترنے لگے۔ اگر ایک ہی دفعہ سارے احکام نازل ہو جاتے تو ممکن تھا کہ لوگ ان کی تعمیل سے انکار کر دیتے۔

حسب موقع اور حسب ضرورت بتدریج قرآنی آیات کا اترنا انسانی تعلیم کے لحاظ سے فطرت کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ قرآن کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۱۷/۱۲	اور قرآن کو ہم نے رفتہ رفتہ تھوڑا تھوڑا نازل کیا کہ تو مہلت کے ساتھ پڑھ کر لوگوں کو سنائے۔

سب سے آخری آیت

نزول کے لحاظ سے قرآن کی سب سے آخری سورت برائت ہے۔ اسکے آخر کی

دونوں آیتیں عرش کا آخری پیغام ہیں جن کے اُترنے کے ۹ دن کے بعد نبوت کا دنیا سے خاتمہ ہوگیا۔

کفّار اور مستہزئین

جب قرآن کا نزول شروع ہوا تو اس کی آیتیں سنکر اہل عرب مبہوت اور حیرت زدہ ہوگئے۔ ان میں سے جو سعادت مند تھے، ایمان لائے۔ لیکن عام طور پر وہ حمیت جاہلیت کی وجہ سے دشمنی اور مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ اور بعض بعض انمیں سے شیطانی نخوت میں آکر ہنسی اُڑانے لگے۔

قرآن کے مقابلہ میں یہ لوگ جو جو افترا باندھتے تھے یا جس جس طرح کے اعتراض کرتے تھے وہ اگرچہ نہایت لغو بیہودہ اور نامعقول ہوتے تھے لیکن اللہ تعالےٰ اتمام حجت کے لئے ہر ایک کا جواب قرآن میں دیتا تھا۔

بعضوں نے کہا کہ یہ شاعروں اور کاہنوں کی باتیں ہیں۔ اسکے جواب میں فرمایا۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ (۶۹ – ۴۱ سے ۴۶ تک)

یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ مگر تم لوگ کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے مگر تم لوگ کم سوچتے ہو۔ یہ رب العالمین کا اُتارا ہوا ہے اگر پیغمبر کوئی بات ہم پر اختراع کرتا تو ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے اور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔

دوسری جگہہ فرمایا۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۳۶/۶۹	ہم نے پیغمبر کو شاعری نہیں سکھلائی ہے اور نہ وہ اس کے لئے زیبا ہے - جو کلام وہ سناتا ہے وہ نصیحت ہے اور عام فہم قرآن ہے -

کوئی اس کو جادو کہتا تھا اور کوئی کہتا تھا کہ نبی مجنون ہیں - یا ان کے اوپر جن آتا ہے - اللہ تعالیٰ نے جواب دیا -

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ○ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ○ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ○ ۸۱ ۲۲ سے ۲۶ تک	محمدؐ مجنون نہیں ہے - بیشک اس نے جبریل کو آسمان کے روشن کنارے میں دیکھا ہے - وہ غیب کی بات بیان کرنے میں بخل نہیں کرتا - اور یہ قرآن شیطان لعین کا قول نہیں ہے -

جادوگر کے بارے میں کہا

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۲۰/۶۹	جادوگر جہاں جاتا ہے فلاح نہیں پاتا -

ایک عجمی غلام جو مکہ کے بازار میں بیاع تھا اور آں حضرتؐ کی خدمت میں آیا کرتا تھا بعض جہلا نے اس کی نسبت مشہور کیا کہ وہی ان کو قرآن سکھلاتا ہے - اس پر یہ آیت نازل ہوئی -

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۱۶/۱۰۳	ہم جانتے ہیں کہ اہل مکہ کہتے ہیں کہ ان کو ایک آدمی سکھلاتا ہے - وہ جس کی طرف نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے

سبحان اللہ - تمام عرب جس کے مثل ایک آیت نہ بنا سکے وہ ایک عجمی غلام کی سکھلائی ہوئی بات کیسے ہوسکتی ہے - بعض کافروں نے یہ افترا باندھا -

وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا ۲۵	کافروں نے کہا کہ اگلوں کے قصے لکھ رکھے ہیں وہی انکے یہاں صبح اور شام سنائے جاتے ہیں

اللہ تعالےٰ نے جواب میں فرمایا

وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۲۹	اے پیغمبر! قرآن سے پہلے نہ تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے نہ لکھنا ہی جانتے تھے ایسا ہوتا تو یہ منکرین شک کرتے۔

یعنی اگر پیغمبر پڑھے لکھے ہوتے تو تمہارے شبہ کی گنجائش بھی ہوسکتی تھی کہ انہوں نے کوئی کتاب پڑھکر اس کے مضامین لکھ رکھے ہیں وہی لوگوں کو سناتے اور لکھاتے ہیں۔ لیکن جب تم کو خود اس بات کا علم ہے کہ وہ اُمّی ہیں نہ کوئی کتاب ہی پڑھی نہ لکھنا ہی جانتے اور پھر ایسی بے نظیر کتاب پیش کرتے ہیں جس کی ایک آیت کا بھی تم مقابلہ نہیں کرسکتے تو کیوں نہیں ایمان لاتے کہ اللہ کی اُتاری ہوئی ہے۔

ایک گروہ نے یہ کہا کہ قرآن اگر کلام الٰہی ہے تو طائف یا مکّہ کے کسی سردار صاحب دولت وجاہ کے اوپر کیوں نہیں نازل ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ○ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۴۳	ان لوگوں نے کہا کہ یہ قرآن دونوں بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔ اے محمدؐ! کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کے تقسیم کرنیوالے ہیں

دوسری جماعت کہتی تھی کہ اللہ تعالےٰ ہمارے اوپر کیوں آیت نہیں اُتارتا اور ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا	اور جہلا نے کہا کہ اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا

اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ ۲/۱۱۲	یا ہمارے پاس کوئی آیت کیوں نہیں آتی ان سے پہلے جو گزر گئے وہ بھی اسی طرح کہتے تھے ان سب کے دل ایک طرح کے ہیں ۔

یہ جماعت کہتی تھی کہ جب تک رسول اللہ کی طرح ہم پر بھی قرآن نازل ہوگا ہم ایمان نہیں لائینگے ۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ ۶/۱۲۴	جب انکے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ رسولوں کو جیسی نبوت دی گئی ہے ویسی ہی جبتک ہم کو نہ دی جائیگی ہم ہرگز ایمان نہ لائینگے ۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ کون اسکی پیغمبری کے قابل ہے ۔

سورہ مدثر میں فرمایا کہ ان کی یہ باتیں اس وجہ سے ہیں کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۙ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۙ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ؕ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۙ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ ۷۴/۵۰-۵۳	ان کو کیا ہوگیا ہے کہ قرآن سے اس طرح منہ پھیر کر بھاگتے ہیں جیسے گدھے شیر سے گھبرا کر بھاگے ہوں بلکہ انمیں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اسکو کھلے ہوئے آسمانی صحیفے دیے جائیں ۔ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ۔

بعض نادان یہ کہتے تھے

اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا	یا تو آسمان پر چڑھ جائے ۔ اور تیرے چڑھ جانے پر بھی ایمان نہ لائینگے ، یہاں تک کہ تو ہمارے

نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۹۶/۱۷

پاس ایک کتاب اُتار لائے جس کو ہم پڑھیں۔ لے پیغمبر کہہ دے کہ سبحان اللہ۔ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا ایک بشر ہوں۔

یعنی یہ سنت الٰہی اور فطرت کے خلاف ہے کہ کوئی آدمی آسمان پر چڑھے اور وہاں سے کتاب لائے۔

بعض لوگ استہزاءً کہتے تھے کہ آسمان سے قرطاس پر لکھی لکھائی کتاب آنی چاہیئے اللہ تعالےٰ نے کہا۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۶/۷

اگر ہم تیرے اوپر قرطاس پر لکھی ہوئی کتاب اُتار دیتے اور یہ کفار اس کو چھو بھی لیتے پھر بھی یہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

تعجب ہے کہ اہل کتاب جو کتب آسمانی کے نزول پر ایمان رکھتے تھے وہ بھی کفار کے ساتھ اس قسم کے ہفوات میں شریک ہو جاتے تھے۔

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ

اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو کوئی کتاب ان پر آسمان سے اُتار لائے۔ ان لوگوں نے موسیٰ سے تو اس سے بھی بڑھکر سوال کیا تھا یعنی کہا کہ ہمیں اللہ کو رو در رو دکھا دے۔ آخر ان کی سرکشی کی وجہ سے ان کو بجلی مار گئی۔

ان کو یہ بھی اعتراض تھا کہ سارا قرآن ایک ہی بار کیوں نہ اُتار دیا گیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

کفار کہتے ہیں کہ پورا قرآن ایک بار کیوں نہ نازل

الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۲۵/۳۲

کر دیا گیا۔ ہاں ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ تاکہ اس سے ہم تمہارے دل کو قوی کرتے رہیں اور ہم نے تو اسکو رفتہ رفتہ اُتارا ہے۔

کیونکہ جب ضرورت کے موقع پر وحی اُترتی ہے تو ذہن میں زیادہ راسخ ہوتی ہے۔ اور اس کی طرف رسول کی توجہ بھی زیادہ ہوتی ہے۔ علاوہ بریں بار بار کے مخاطبۂ الٰہی سے اُس کا دل قوی رہتا ہے۔

بعض کفار اس قسم کے تھے جو قرآن کی عبارت پر شیدا تھے لیکن یہ چاہتے تھے کہ اس میں ان کے معبودوں کا ابطال نہ کیا جائے۔

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۫ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۱۰/۱۶-۱۷

جو لوگ ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اسکے سوا کوئی دوسرا قرآن لا۔ یا اسی کو بدل دے۔ اے پیغمبر تو ان سے کہہ دے کہ میری مجال نہیں کہ میں اپنے جی سے اس کو بدل سکوں میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی اُترتی ہے۔ میں اپنے رب کی نافرمانی میں قیامت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ کہہ دے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں یہ قرآن تم کو پڑھ کر نہ سناتا۔ اور نہ اللہ اس سے تم کو آگاہ کرتا۔ تم سوچتے نہیں کہ اس سے پہلے میں نے تمہارے اندر ایک عمر گزاری ہے (کبھی وحی کا نام بھی لیا تھا)

الغرض قرآن ان کے نامعقول سے نامعقول اعتراضات کے جوابات بھی نرمی اور معقولیت کے ساتھ دیتا رہا تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ جب وہ ہر طرف سے ہار گئے تو اُنہوں نے یہ شرارت سوچی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۲۴/۴۱	یہ کافر باہم کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو مت۔ اور جب سنانے لگیں بیچ بیچ میں غل مچا دیا کرو۔ اس تدبیر سے تم شاید غالب آجاؤ۔

لیکن باطل کو غلبہ کہاں۔ قرآن حق تھا غالب ہو کے رہا۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۸۳/۱۷	حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ اور باطل تو مٹنے ہی کے لئے تھا۔

اسبابِ نزول

قرآن کے نزول کی دو صورتیں تھیں۔ کبھی تو ابتداءً بلا کسی سوال یا واقعہ کے نازل ہوتا تھا۔ اور کبھی کوئی سوال یا واقعہ پیش آجاتا تھا جس پر وحی آسمانی کی ضرورت پڑتی تھی اُسوقت اترتا تھا۔ یہی سوالات یا واقعات اسبابِ نزول کہے جاتے ہیں۔ اور یہ ایک اصطلاح قرار پاگئی ہو ورنہ وہ حقیقت میں نزولِ قرآن کے سبب نہ تھے بلکہ موقع یا محلِ نزول تھے۔ اسی لئے ان کو زیادہ تر بجائے اسبابِ نزول کے شان نزول کہتے ہیں۔

گو یہ امر فنِ اصول میں طے ہوچکا ہو کہ شان نزول کے ساتھ آیتوں کے معانی مخصوص نہیں ہوتے بلکہ ان کا عموم و خصوص اُنکے الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے اسلئے اُنکا بیان غیر ضروری ہے لیکن چونکہ ان سے دو فائدے ہوتے تھے ایک تو واقعات سے آیات کا تعلق معلوم ہوجاتا

تھا۔ دوسرے انکے علم سے آیات کے معانی زیادہ واضح طور پر سمجھ میں آتے تھے اسوجہ سے علماء اسلام نے نہایت جستجو کر کے اس علم کو مدوّن کر لیا تفسیروں میں یہ بیان کئے جاتے ہیں، علاوہ ان کے بہت سی جداگانہ کتابیں اسی عنوان سے لکھی گئی ہیں جن میں وہ تمام سوالات اور واقعات جن کے متعلق قرآنی آیتیں نازل ہوئی ہیں، جمع کئے گئے ہیں

موافقاتِ صحابہؓ

اسبابِ نزول کی ایک قسم موافقاتِ صحابہ ہیں۔ یعنی قرآن میں بعض آیتیں ایسی ہیں جو صحابہ کے قول یا خیال کے مطابق نازل ہوئی ہیں۔ ان میں زیادہ تر موافقاتِ عمرؓ ہیں بعض لوگوں نے تو اس کو اس قدر وسعت دی ہے کہ اس پر جداگانہ کتاب لکھی ہے۔ لیکن خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ تین معاملہ میں قرآن میری منشا کے مطابق نازل ہوا اور میں اور میرا رب دونوں موافق ہو گئے۔

میں کہا کرتا تھا کہ کاش مقام ابراہیمؑ ہمارے لئے مصلّٰی قرار پاتا۔ آنحضرتؐ اس کا کچھ جواب نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ میری اسی آرزو کے مطابق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۲/۱۱۹ | اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔ ۱۲۵

یہ بھی میں بار بار کہا کرتا تھا کہ ازواج مطہرات کو اگر پردہ میں رہنے کا حکم دیں تو بہتر ہے۔ آن حضرتؐ خاموشی کے سوا کچھ جواب نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آیت حجاب نازل ہوئی۔ اور اُمّہات المومنین پردہ میں رہنے لگیں۔

اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے ناراض ہو گئے تھے تو میں نے ان بیویوں سے جا کر کہا تھا۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ | اگر نبی تمکو طلاق دیدے تو امید ہے کہ اُس کا رب

اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ ؕ اس کو تم سے بہتر بیویاں بدلہ میں دیدیگا۔
اللہ تعالےٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔
لیکن ان تین کے علاوہ اسیرانِ بدر وغیرہ کے متعلق اور بھی موافقاتِ عمرؓ ہیں۔
اسی طرح اور بھی بعض صحابہ کے خیال یا قول کے مطابق آیات کا نزول ہوا ہے۔
اس موافقت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن فطرت انسانی کے بالکل مطابق ہے۔ اسلئے
ان خاص خاص مواقع پر جو خیالات انسان کے دل میں فطرتاً پیدا ہو سکتے تھے،
ہوے۔ اور قرآن کی آیتوں سے مطابقت کھا گئے۔

مکّی اور مدنی آیات

جس طرح قرآن کے نازل ہونے کا کوئی وقت نہیں مقرر تھا۔ دن کو بھی اترتا تھا۔ رات کو بھی اُترتا تھا۔ اسی طرح اس کے لئے کوئی جگہہ بھی مخصوص نہیں تھی۔ کوئی سورہ مکّہ میں نازل ہوئی۔ کوئی طائف میں کوئی قبا میں کوئی مدینہ میں۔ لیکن بالاجمال قرآن کی دو قسمیں کردی گئی ہیں۔ مکّی اور مدنی۔ اس طرح پر کہ ہجرت سے قبل جو نازل ہوا وہ مکّی ہے اور ہجرت کے بعد جو اترا وہ مدنی ہے۔ خواہ وہ کہیں بھی نازل ہوا ہو۔ مکّہ کے اندر وہ تمام مقامات بھی شامل سمجھے گئے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیام مکّہ کے زمانہ میں آتے جاتے تھے۔ مثلاً منا۔ حدیبیہ۔ عرفات اور طائف وغیرہ۔ علیٰ ہذا مدینہ میں بھی وہ مقامات شامل سمجھے گئے ہیں جہاں قیام مدینہ کے زمانہ میں آپ کا جانا ہوا۔ جیسے بدر۔ احد۔ تبوک وغیرہ۔

ابتدائے رسالت سے قبا پہونچنے تک کا کل زمانہ ۱۲ برس ۵ مہینے ۱۲ دن ہے۔ یہ

سب آنحضرت کے قیام مکہ کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں ۹۳ سورتیں نازل ہوئیں جو قریب دو ثلث قرآن کے ہیں اور اس کے بعد دس سال کے قیام مدینہ کے زمانہ میں ۲۱ سورتیں اُتریں جو قریب ایک ثلث قرآن کے ہیں۔

مکی اور مدنی آیات میں فرق

مدنی آیتیں مکی آیتوں سے دو باتوں میں ممتاز ہیں۔

(۱) مکی آیتوں میں زیادہ تر انبیاء سابقین اور ان کی اُمتوں کے قصے ہیں۔ بخلاف اس کے مدنی آیتوں میں خود مسلمانوں کے معاملوں اور ان کی لڑائیوں کا ذکر ہے۔

(۲) مکی آیات میں بیشتر رجوع الی اللہ اور تزکیہ قلب کی تعلیم ہے۔ اور مدنی آیات میں زیادہ تر فرائض اور امر اور نواہی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مکہ میں قرآن کے مخاطب کفار تھے وہ ان کو اسلام کی طرف بلاتا رہا۔ اور مدینہ میں چونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو چکی تھی اس لئے بیشتر انہیں کو مخاطب کر کے دین کے فرائض کی تعلیم دی۔

تکرار نزول

بعض لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ چند سورتیں اور آیتیں قرآن میں ایسی ہیں جو مکہ اور مدینہ دونوں جگہ نازل ہوئیں اور اس کی وجہ یاد دہانی نصیحت یا اس آیت کی عظمت کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ کوئی آیت یا کوئی سورۃ ایکبار سے دوسری بار نہیں نازل ہوئی۔ کیونکہ دوبارہ نازل کرنا بالکل عبث تھا۔ اس لئے کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد اللہ کے منشا کے بغیر اس کا بھول جانا ناممکن تھا۔ قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○	قرآن میں عجلت کرنے کے لئے اپنی زبان کو
اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○	مت ہلا۔ اس کا پڑھا دینا اور یاد کرا دینا
۷۵ / ۱۶-۱۷	ہمارے ذمہ ہے۔
سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۸۷ / ۶	ہم تجھے پڑھا دینگے پھر تو نہیں بھولیگا۔

دوبارہ نازل ہونے کا جو خیال بعض آیتوں کے متعلق کیا گیا ہے اس کی بنیاد متعارض روایتوں پر ہے جن میں سے ایک یقیناً غلط ہوتی ہے۔

حضرت آدم اور موسیٰ کے قصّوں میں جو متقارب آیتیں کئی جگہ نازل ہوئی ہیں وہ بجنسہ قرآن میں موجود ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک الگ الگ آیت شمار کی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ ایک ہی آیت بار بار نازل ہوئی ہے۔ رہا یہ کہ ان قصونکے بار بار دہرانے کی کیا ضرورت تھی اس کے جواب میں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

کلام دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس سے کسی بات کا بتلانا مقصود ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بتلانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک شے معلوم ہے اُسی کو تازہ کرنا مدّنظر ہوتا ہے۔ تاکہ طبیعت کو حظ حاصل ہو۔ اور اس کی یاد سے وہ جذبات جو ٹھنڈے پڑ گئے ہیں پھر گرم ہو جائیں جیسے ایک شاعر جو کسی شعر کو جانتا ہے لیکن بار بار اس کو دہراتا ہے سوچتا ہے۔ لذّت لیتا ہے اور اپنے جذبہ کو تازہ کرتا ہے۔

قرآن کے وہ قصّے یا حکمت کی باتیں جو بار بار دُہرائی گئی ہیں اُنکا یہی منشا ہے کہ ان سے روح پر جو لطیف اور پاک اثر پڑتا ہے وہ اس کی یاد سے تازہ ہوتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ احکام اور فرائض کی کوئی

آیت کئی جگہ نہیں نازل ہوئی۔ کیونکہ وہ محکم ہیں۔ اور بمنزلہ قانون کے ہیں روح پر کوئی خاص لطیف اثر ان کے علم سے نہیں پڑتا بلکہ ان پر عمل کرنے سے پڑتا ہے۔

اجزاء قرآن

قرآن سورتوں میں منقسم ہے۔ اور یہ تقسیم اللہ کی طرف سے ہے۔ ہر ہر سورہ بجائے خود ایک مستقل باب یا فصل ہے کہ جو مضمون اس میں شروع ہوا ہے وہ پورا اسی میں ختم ہو گیا ہے۔

سات منزلوں میں تقسیم صحابہ نے کی تھی۔ کیونکہ وہ لوگ بالعموم ایک ہفتہ میں ایک بار قرآن کو ختم کرتے تھے۔ لیکن تیس پارے اور ہر ہر پارہ میں نصف اور ربع یہ تقسیم حجاج بن یوسف کے عہد میں آسانی اور شمار رکھنے کے لئے کی گئی ہے۔ اور رکوع زمانہ مابعد میں حفاظ نے تراویح کی نماز کے لئے متعین کئے ہیں۔

رموز اوقاف

عہد نبوت میں وقف صرف آیات پر ہوتا تھا۔ اسلئے کہ ہر آیت جہاں ختم ہوتی ہے وہاں جملہ پورا ہو جاتا ہے۔ ابو عمرو بن العلاء قاری کے زمانہ تک یہی دستور چلا آیا قراء سبعہ میں سے نافع پہلے شخص ہیں جنہوں نے آیات کے علاوہ بیچ میں بھی ٹھیرنے کی اجازت دی بشرطیکہ معنوی رعایت ملحوظ رہے۔ یعنی ایسا بے موقع وقف نہ ہو کہ اس سے معنی میں خلل پڑ جائے۔ پھر حمزہ نے یہ مسلک اختیار کیا کہ جہاں سانس ٹوٹے وہیں وقف کر دیا جائے۔ اس کے بعد سجاوندی وغیرہ نے وقف کے خاص خاص مدارج اور ان کے اقسام مقرر کئے اور اس کو ایک فن بنا دیا جس کا نام

رموز القرآن ہے۔

تعداد سُوَر و آیات وغیرہ

قرآن کی کل سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ اور کل آیتوں کی چھ ہزار۔ کلمات ۷۹۳۴ ہیں اور حروف ۳۲۳۰۱۵۔ اسی طرح ہر قسم کے حرکات واوقاف وغیرہ بھی شمار کر لیے گئے ہیں لیکن ان کی تفصیل کچھ زیادہ مفید نہیں۔

ترتیب قرآن

قرآن جس ترتیب سے نازل ہوا وہ اُس کی اصلی ترتیب نہ تھی۔ کیونکہ اس کی آیتیں حسب موقع اور حسب ضرورت اُترتی تھیں۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت الٰہی کے ذریعہ سے اس کو اس ترتیب پر مرتب فرما لیتے تھے جو اس کی اصلی ترتیب لوح محفوظ میں تھی۔

موجودہ ترتیب قرآن کے دو حصّے ہیں۔ آیتوں کی ترتیب اور سورتوں کی ترتیب۔

ترتیب آیات

ترتیب آیات کے متعلق ساری اُمت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کے بتانے سے منشاء الٰہی کے مطابق ان کو مرتب فرمایا۔ اُسی ترتیب سے لکھوایا اور یاد کرایا۔ حضرت زید بن ثابت جو کاتبِ وحی تھے بیان کرتے ہیں کہ ہم فرمان نبوی کے مطابق آیتوں کو ترتیب دیکر لکھتے تھے۔

حضرت عثمان سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے اوپر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ فوراً کسی کاتبِ وحی کو بلا کر لکھواتے تھے اور یہ بتلا دیتے تھے کہ یہ آیت

فلاں سورہ کی ہے۔ اس کو فلاں آیت کے بعد اور فلاں آیت کے پہلے لکھو۔
خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پورا قرآن ازبر رکھتے تھے۔ اور برابر
اس کی تلاوت کرتے تھے۔ نمازوں میں اس کی سورتیں پڑھتے تھے۔ اور صحابہ کا
بھی یہی حال تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن شروع سے آخر تک مرتب تھا۔
امام مالکؒ کا قول ہے۔

قرآن جو اس وقت ہمارے درمیان موجود ہے صحابہ نے اس کو
اسی ترتیب کے ساتھ لکھا جس ترتیب کے ساتھ آنحضرتؐ سے سُنا۔

امام بغوی لکھتے ہیں۔

صحابہ نے قرآن کو اُسی ترتیب سے لکھا جس ترتیب سے آنحضرتؐ
نے اسکو اپنے سامنے لکھوایا تھا۔ ہم اطمینان کے ساتھ اعتقاد
رکھتے ہیں کہ یہ قرآن بعینہٖ وہی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے سنایا اور جو لوح محفوظ میں تھا۔ کیونکہ آنحضرتؐ اپنی طرف
سے اسکو مرتب نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ جس طرح جبریل بتاتے تھے
اس طرح ترتیب دیتے تھے۔

ترتیب سُوَر

سورتوں کے متعلق بھی علمار محققین کا قول ہے کہ ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے مرتب کر دیا تھا۔ قاضی ابوبکر لکھتے ہیں۔

جس طرح آیتوں کی ترتیب آنحضرتؐ کو جبریل نے بتائی تھی اسی
طرح سورتوں کی بھی جس قدر قرآن اتر چکا تھا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اسکو ہر سال رمضان میں دُہرا لیا کرتے تھے۔ اور جبریلؑ اسکو
مرتب کرا دیتے تھے

جس طرح ایک آیت دوسری آیت سے مرتب ہے۔ اسی طرح ایک
سورہ دوسری سورہ کے ساتھ ہے۔

علامہ **کرمانی** اور نیز **طیبی** کا قول ہے۔

قرآن اگرچہ حسب اقتضاے ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ لیکن اسکی
جو ترتیب لوح محفوظ میں تھی اسی کے مطابق اس کی آیتیں اور سورتیں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرمائیں۔

عہد نبوت میں قرآن کی تمام آیتیں اور سورتیں مرتب ہو گئی تھیں۔ سورہ برارت چونکہ
سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی اس لئے اس کے متعلق کوئی حکم آپنے نہیں دیا تھا۔
وفات نبوی کے بعد صحابہ نے اس کے مضمون کو سورہ انفال کے مضمون سے ملتا
جلتا دیکھکر یہ سمجھا کہ اُسی کا بقیہ ہے۔ اسلیئے دونوں کو ملا دیا۔ اور بیچ میں بسم اللہ
بھی نہیں لکھی۔

امام احمدؒ نے روایت کی ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ توریت کے بدلے مجکو سبع طوال
عطا کی گئیں۔ زبور کے عوض مئین۔ انجیل کے بجاے مثانی۔ اور
یہ میری فضیلت ہے کہ ان سب کے علاوہ مجکو مفصّل بھی دی گئیں۔

اب قرآن کی سورتوں کو دیکھئے۔ ان کی چار قسمیں قرار دی گئی ہیں۔

سبع طِوال۔ شروع کی سات بڑی بڑی سورتیں۔

مئین ۔ جن سورتوں میں کم و بیش سو آیتیں ہیں ۔ یونس سے فاطر تک ۔
مثانی ۔ جو بار بار دہرائی جاتی ہیں ۔ یٰس سے قٓ تک ۔
مفصّل ۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں جن میں جلد جلد فصل واقع ہو جاتا ہے قٓ سے الناس تک

یہی ترتیب بعینہٖ اس وقت قرآن کی سورتوں کی ہے ۔ اس لئے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ سورتیں بھی زمانہ نبوت میں مرتب تھیں ۔

بعض روایتیں مصحف عبداللہ بن مسعود و ابی بن کعب کی سورتوں کی ترتیب کو موجودہ قرآن سے کسی قدر مختلف ظاہر کرتی ہیں ۔ لیکن وہ اس قدر ضعیف ہیں کہ کسی طرح قابل قبول نہیں ۔

ربط آیات

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کی آیتوں میں باہمی تناسب اور تسلسل نہیں ہے ۔ اور وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ آیاتِ قرآن کا نزول ایسے واقعات اور حالات کے متعلق ہوا ہے جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور غیر متعلق تھے اسلئے ان میں نہ ربط ہو سکتا ہے نہ ربط کی ضرورت ہے ۔

قرآن پر غیر قوموں کے لوگوں نے بھی اعتراض کیا ہے کہ اس میں تسلسل نہیں ہے ۔ کارلائل جو اسلامی تعلیمات کا مدّاح ہے وہ بھی قرآن کی بے ترتیبیِ مضامین پر معترض ہوا ہے ۔ شاہ ولی اللہ صاحب اس مضمون پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

حکمت دریں باب موافقت مبعوث الیہم است در لسان و اسلوب
بیان ۔ تا نزولِ قرآن درمیانِ عرب ہیچ کتابے نبود ۔ نہ کتاب الٰہی

نہ مؤلّفِ بشر۔ و ترتیبے کہ حالا مصنفین اختراع نمودہ اند عرب آں را
نمی دانستند۔ اگر ایں را باور نمی داری قصائد شعرائے مخضرمین را
تامل کن و رسائل آنحضرتؐ و مکاتیب عمرؓ را بر خواں۔ تا ایں معنی
روشن شود۔ پس اگر خلافِ طور ایشاں گفتہ شود بحیرت درمانند۔ و
چیزے ناآشنا بگوشِ ایشاں رسد۔ و فہم ایشاں مشوش سازد۔
و نیز مقصود نہ مجرد افادہ است بلکہ افادہ مع التکرار والاستحضار۔ و
ایں معنی در غیر مرتب اقوے و اتم است۔

شاہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جو ترتیب تم چاہتے ہو عرب اس کو جانتے ہی نہ تھے اور مصلحت اسی امر کی متقاضی تھی کہ جن لوگوں کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے وہ جس طرح پر کلام کرتے ہوں اسی اسلوب پر قرآن بھی ہو۔ ورنہ ان کی سمجھ میں نہ آتا۔

علاوہ بریں قرآن کا مقصد یہ ہے کہ اخلاص اور تزکیۂ نفس کے مضامین اس قدر بار بار دہرائے جائیں کہ مخاطب ان کے اثر میں محو ہو جائے۔ اور یہ اس ترتیب اور تسلسل کی صورت میں جس کو تم چاہتے ہو نہیں ہو سکتا تھا۔

قرآن مربوط ہے

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کسی آدمی کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ اور جسقدر متکلّم کی شان ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے اسی قدر اس کا کلام بھی بلند ہوتا ہے۔ اور کلام کی بلندی اور رفعت کا انحصار ایجاز و اختصار پر ہے۔ قرآن مجید اس قدر موجز اور مختصر ہے کہ کسی کلام کا اس کے برابر موجز اور مختصر ہونا ممکن نہیں۔ اور موجز کلام میں چونکہ زائد باتیں نہیں ہوتیں۔ صرف ضروری رموز اور کنائے ہوتے ہیں اسلیے

اس کا تناسب آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا۔ ورنہ حقیقت میں وہ کلام تناسب سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر آیات قرآنی میں تسلسل اور ربط نہ ہوتا تو پھر کیا وجہ تھی کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بتلاتے تھے کہ اس کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے پہلے لکھو۔

علما محققین جو کلام اللہ میں زیادہ غور و فکر کرتے رہے ہیں وہ ہمیشہ سے اسکے مربوط اور منتظم ہونے کے قائل رہے ہیں۔ علامہ ابن العربی نے لکھا ہے۔

میرا دعوا ہے کہ قرآن کریم کی تمام آیتیں مسلسل اور ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں لیکن چونکہ جمہور اس علم کی قدر نہ کرینگے اسلئے میں خود ہی اس کا لطف اُٹھا لیتا ہوں۔ اور اس کو اپنے اور اللہ کے درمیان رکھتا ہوں۔

امام رازی نے بھی تناسب آیات کی طرف زیادہ توجہ مبذول کی ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔

قرآن کی بہت سی لطافتیں اور نزاکتیں ترتیب آیات میں مخفی ہیں۔ اگر انسان ان پر غور کرے تو اسکو قرآن میں زیادہ لذّت ملے۔

سورۂ بقرہ کی تفسیر کے خاتمہ پر لکھا ہے۔

جس نے اس سورہ کے لطیف تناسب پر غور کیا ہے۔ اور اس کی دلکش ترتیب کو نظر تامل سے دیکھا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن بلندیِ معانی اور فصاحت الفاظ ہی کے لحاظ سے معجزہ نہیں ہے بلکہ ترتیب نظم کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے۔ افسوس ہے کہ عام

مفسرین اس کی ترتیب کے لطائف سے ناواقف ہونے کی وجہ
سے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ قرآن ترتیب
کا پابند نہیں ہے۔

تناسبِ آیات کا سمجھنا اس امر پر موقوف ہے کہ پہلے آدمی سورہ پر
غور کرے کہ بحیثیت مجموعی اسکے اُتارنے کی غرض کیا ہے۔ پھر یہ سوچے
کہ اس خاص غرض کو سمجھانے کے لئے کن کن مقدمات کی ضرورت
ہے۔ پھر ان مقدمات کے مراتب پر لحاظ کرے کہ بحیثیت اصل
غرض سے قریب یا بعید ہونے کے ان کے مدارج میں باہمی کس قدر
تفاوت ہے۔ اور ان کے بیان سے پہلے کلام میں کیا کیا تمہیدیں
ہونی چاہئیں۔ تاکہ جس وقت وہ اصلی غرض بیان کی جائے ان تمہیدات
اور مقدمات کے سننے کے بعد سامع کا ذہن اس کو قبول کر لینے
کے لئے تیار رہے۔ اور بلا چون وچرا اس کو مان لے۔ ان سب
باتوں پر غور کرنے کے بعد آسانی سے تناسب سمجھ میں آسکتا ہے۔

الغرض قرآن تناسب سے خالی نہیں اور اُس کی آیتیں ایک دوسرے کے ساتھ لطیف
ربط رکھتی ہیں۔

ربط قرآن پر تصانیف

اس خاص عنوان پر تفسیریں بھی لکھی گئی ہیں جن میں آیات کا باہم ربط دکھایا گیا ہے۔
علامہ برہان الدین بقاعی متوفے ۸۸۵ھ نے نظم الدرر فی تناسب الآیات
والسور۔ علامہ سیوطی نے اسرار التنزیل اور شیخ علی بن احمد مہائمی متوفی

۱۳۲۵ھ نے تبصیر الرحمٰن لکھی۔ اس زمانہ میں مولانا حافظ حمید الدین فراہی عربی زبان میں تفسیر نظام الفرقان لکھ رہے ہیں۔ جس کے بعض اجزاء شائع ہو چکے ہیں اُمید ہے کہ اس کے مکمل ہو جانے کے بعد اس عنوان پر پھر کسی تصنیف کی حاجت نہ رہیگی۔

حفاظتِ قرآن

قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالےٰ نے لیا ہے۔ اور صاف صاف لفظوں میں فرمایا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ ۱۵/۹	ہمیں نے قرآن کو اُتارا اور ہمیں اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں الذکر کا جو لفظ ہے اور جس کے معنی ہم نے قرآن کے لکھے ہیں اس کی یہی تفسیر خود اللہ تعالےٰ نے سورہ سجدہ میں کر دی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ○ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ○ ۴۱/۴۱-۴۲	جن لوگوں نے الذکر کا انکار کیا (وہ جہنمی ہیں) اور حقیقت یہ ہے کہ وہ عزت والی کتاب ہے باطل نہ اس کے آگے سے اس کے پاس پھٹکتا ہے نہ پیچھے سے اور حکیم اور قابل حمد معبود کی اُتاری ہوئی ہے۔

جھوٹ کا اس کے آگے اور پیچھے سے نہ پھٹکنا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کتاب میں کوئی زائد لفظ داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ اس کا کوئی لفظ اس میں سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ باتیں صرف اعتقادی ہی نہیں ہیں۔ بلکہ دلائل واقعی اور

شواہد تاریخی سے قطعی طور پر ثابت ہیں۔

حفظ قرآن

تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اہل عرب کا حافظہ نہایت زبردست تھا۔ وہ اپنے شجرہائے نسب اور بڑے بڑے واقعات اور قصائد کو ایک بار سُنکر بر زبان یاد کر لیتے تھے قرآن کی حفاظت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ ہے کہ خود آنحضرتؐ اور نیز صحابہ کی ایک کثیر تعداد نے اسکو بر زبان یاد رکھا اور اس سلسلہ کو ہمیشہ کے لئے جاری کر دیا۔

اللہ تعالےٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز مسلمانوں کو تلاوت قرآن کا حکم دیا اور فرمایا۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ ۲۹ / ۲۰	جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھو۔

اور ان اوقات اور لمحات کو جو تلاوت قرآن میں صرف ہوں مسلم کی زندگی کا ایک بیش قیمت سرمایہ قرار دیا جس سے وہ نماز اور زکوٰۃ کی طرح دونوں جہان میں بیشمار نفع حاصل کر سکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۳۵ / ۲۸	بیشک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور پوشیدہ اور علانیہ اس مال میں سے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے انکو دیا ہے وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہیں

آیات قرآنیہ اور ضمناً حفاظ قرآن کی مدح میں فرمایا۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ ۲۹/۴۸	بلکہ یہ کھلی کھلی آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے۔

حفظ قرآن کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے حفاظ کے سینوں میں قرآن کی حفاظت کا سامان کردیا۔ جو بغیر مدد کتاب کے اس کو ترتیب کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

نیز قرآن جس وقت پڑھا جائے خاموشی کے ساتھ اس کو سننے کا حکم دیا۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اگر پڑھنے والے سے کوئی غلطی ہوجائے تو سامع اس کو رفع کردے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ۲۰۳	اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم لوگ چپ رہو اور سنو۔

قرآن کی کسی آیت کے چھپانے والے کو دنیا بھر کا ملعون قرار دیا تاکہ مسلمان اس جرم قبیحہ کے مرتکب نہ ہوں۔ پھر یہ بھی حکم دیا کہ اُمّت اسلامیہ میں سے ایک جماعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرے۔ یہ وہی لوگ ہونگے جو حاملین کتاب ہیں۔

الغرض قرآن کی تلاوت۔ اس کا حفظ۔ اس کی ترویج و اشاعت و تبلیغ ان سب کو اُمّت کے فرائض اور اس کی بہترین عبادات میں سے قرار دیا۔

اہتمام حفظ

ابتدائے نزول سے جس وقت کوئی آیت اترتی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھانے کے علاوہ لوگوں کو اسی وقت یاد کرا دیتے تھے اسکے ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ کہیں الفاظ قرآن میں غلطی یا تغیّر و تبدّل نہ ہوجائے اسلئے جن کو یاد کرلیتے تھے اُن سے پھر بار بار سنا بھی کرتے تھے۔ اور خود بھی اُن کو سناتے تھے۔

مکہ میں حضرت ارقم مخزومی کے گھر کو آپ نے تلاوت خانہ مقرر کیا تھا۔
یہیں مسلمانوں کے ساتھ جاتے تھے۔ اور قرآن خوانی کرتے تھے۔ یہ مکان مکہ میں
اب تک موجود ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کے تاریخی رتبہ کے مناسب اس کی
طرف توجہ نہیں کی گئی ہے۔
جب مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو یہاں ایک جماعت اہلِ صُفّہ کے نام
سے تھی۔ یہ وہ غربا تھے جو گھر بار چھوڑ کر آئے تھے اور جن کا کہیں ٹھکانا نہ تھا
مسجد نبوی میں ایک صُفّہ یعنی چبوترہ تھا اسی پر گذر کر لیتے تھے۔ یہ کم و بیش ۸۰ آدمی
تھے۔ جس وقت کوئی آیت نازل ہوتی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یاد کرا دیتے
تھے اور یہ لوگ مدینہ کی گلیوں میں جاجا کر لوگوں کو یاد کراتے تھے۔

حُفّاظِ صحابہ

حضرت ابو بکر صدیق۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود وغیرہ
بڑے بڑے مہاجرین رضی اللہ عنہم شروع سے قرآن حفظ کرتے آتے تھے حضرت
ابو بکر نے مکہ میں اپنے گھر میں ایک جگہ مخصوص کر لی تھی وہاں تلاوت کیا کرتے
تھے۔ عبداللہ بن مسعود کو خود آنحضرتؐ یاد کراتے تھے۔ اور اُن کی قرأت کو پسند
فرماتے تھے۔ اپنے مرض الموت میں انہیں سے قرآن پڑھوا کر سنا کرتے تھے یہانتک
کہ تقریباً سارا قرآن انہوں نے سُنایا۔
سالم موئے حذیفہ۔ ابی بن کعب اور معاذ بن جبل وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی پورا
قرآن ازبر رکھتے تھے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو یاد کرایا تھا۔ اسی
لئے آپ تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ان سے قرآن سیکھو۔

مہاجرین میں سے خلفاء اربعہ کے علاوہ حضرت طلحہ۔ سعد بن وقاص۔ ابوہریرہ عبداللہ بن سائب۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ حضرت عائشہ۔ حفصہ اور ام سلمہ اور انصار میں سے عبادہ بن الصامت۔ ابوحلیمہ۔ مجمع بن جاریہ فضالہ بن عبید۔ مسلمہ بن مخلد۔ تمیم داری۔ عقبہ بن عامر۔ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم یہ سب کے سب پورے قرآن کے حافظ تھے۔

ان کے علاوہ ہر ایک صحابی ایک معتد بہ حصّہ قرآن کا یاد رکھتا تھا۔ اور یہ ایک ایسا مقبول اور مؤثر طریقہ کتاب اللہ کی حفاظت کا رائج ہوا کہ ہر زمانہ اور ہر اسلامی ملک میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان قرآن حفظ کرتے رہے ہیں۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔

کتابت قرآن

دوسرا سبب قرآن کی حفاظت کا یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں اس کو مکمل لکھوا دیا تھا۔

یہ ظاہر ہے کہ قرآن کتاب ہے۔ اور انبیاء گزشتہ پر جو کتابیں نازل ہوئی تھیں وہ بذریعہ کتابت محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ اس لئے آنحضرتؐ نے اس سنت قدیمہ کے مطابق حفظ کے علاوہ کتابت کا طریقہ بھی اختیار کیا۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ جب کوئی آیت اُترتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوراً کسی کاتب وحی کو بلوا کر اسکو لکھوا دیتے تھے۔ اور یہ بھی بتلا دیتے تھے کہ فلاں جگہ اسکو لکھو۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق کتب حدیث میں یہ واقعہ موجود ہے کہ اُنہوں نے اپنی بہن کے گھر میں چند ورقے قرآن کے دیکھے تھے جن کو پڑھ کر اسلام کی حقانیت

ان کے دل میں بیٹھ گئی اور وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں جا کر اسلام لائے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مکّہ میں عام طور پر جو مسلمان لکھے پڑھے تھے قرآن کو لکھ لیا کرتے تھے

کاتبانِ وحی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی کتابت کے لئے معتبر صحابہ کو منتخب فرماتے تھے۔ مکّہ میں حضرت ابو بکر صدیق۔ حضرت عثمان اور حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم لکھا کرتے تھے۔ اور جب مدینہ میں آئے تو یہاں ان کے علاوہ زبیر بن العوام ابی بن کعب۔ حنظلہ بن الربیع۔ زید بن ثابت۔ ابی بن فاطمہ۔ عبداللہ بن ارقم شرجیل بن حسنہ۔ عبداللہ بن رواحہ۔ امیر معاویہ۔ خالد بن سعید۔ اور ابان بن سعید وغیرہ رضی اللہ عنہم لکھتے تھے۔

ان کے علاوہ بہت سے لوگ بطور خود قرآن کو لکھکر اپنے پاس رکھتے تھے۔ مثلاً معاذ بن جبل۔ ابو الدرداء۔ ابو ایوب انصاری۔ عبادہ بن الصامتؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ نیز عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر نے بھی پورا پورا قرآن لکھکر اپنے پاس رکھا تھا۔

باوجود اس کے کہ صحابہ میں اس قدر لکھنے والے موجود تھے پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اور زیادہ لکھنے والے پیدا ہوں۔ چنانچہ لوگوں کو لکھنے کا شوق دلاتے تھے۔ اور بدر کے قیدیوں میں سے ان لوگوں کا جو لکھنا جانتے تھے آپ نے یہی فدیہ مقرر کیا تھا کہ مدینہ کے دس دس آدمیوں کو وہ لکھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں

کتابت قرآن میں مزید احتیاط آپ نے یہ کر رکھی تھی کہ کاتبوں کو منع فرما دیا تھا کہ قرآن کے علاوہ وہ حدیثیں وغیرہ کچھ نہ لکھیں۔ کیونکہ اس سے خلط ملط ہو جانے کا

اندیشہ تھا مسلم میں یہ روایت ہے۔

لَا تَكْتُبُوا عَنِّيْ غَيْرَ الْقُرْآنِ — مجھ سے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو۔

قرآن کتاب ہے

قرآن کو اسی وجہ سے جابجا آیات میں کتاب کہا ہے کہ وہ شروع سے لکھا جاتا تھا۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ ۲/۲	یہ کتاب ہے جس میں کچھ شک نہیں۔

دوسری آیت میں ہے۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ ۲۹/۵۰	کیا اُنکے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جو اُن کو سُنائی جاتی ہے۔

سورۂ عبس میں ہے۔

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۢ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ۝ ۸۰/۱۱-۱۵	بیشک یہ قرآن نصیحت ہے۔ جو چاہے اس کو یاد رکھے۔ پاکیزہ بلند مرتبہ اور مکرم صحیفوں میں بزرگ اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھا ہوا ہے۔

سورۂ بیّنہ میں ہے۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ ۹۸/۳	اللہ کا رسول پاک صحیفے اُن کو سناتا ہے جس میں پکی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔

اسی کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۵۶/۷۷-۸۰	یہ قرآن کریم ہے جو محفوظ کتاب میں ہے۔ وہی لوگ اسکو ہاتھ لگاتے ہیں جو پاکیزہ ہیں۔ اُتارا ہوا ہے رب العالمین کا۔

ان تمام آیات سے روز روشن کی طرح نمایاں ہوگیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو لکھواتے تھے۔ وہ کتاب کے نام سے مشہور و معروف تھا۔ اسکی سورتیں اور آیتیں سب عہد نبوت میں مکمل لکھی ہوئی موجود تھیں۔ اور لوگ اسکو لکھکر اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور پڑھتے تھے۔

جمع قرآن

قرآنِ کریم اگرچہ عہد نبوت ہی میں مکمل لکھوا دیا گیا تھا لیکن وہ نوشتے متفرق اور منتشر تھے۔ حضرت عمرؓ کو سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کو ایک شیرازہ میں جمع کرادیں۔ اور یہ خیال اس وقت پیدا ہوا جب جنگ یمامہ میں جو آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد ہی مسیلمہ کذاب کی قوم بنی حنیفہ سے ہوئی تھی سات سو حفاظ قرآن شہید ہوگئے۔ انھوں نے سوچا کہ اگر حاملان قرآن کا اسی طرح خاتمہ ہوتا گیا تو کہیں قرآن ضائع نہو جائے۔ اسلئے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اس خیال کو پیش کیا۔ انھوں نے پہلے تو یہ عذر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو ایک شیرازہ میں جمع نہیں کرایا اُمّت کو لکھا دیا۔ یا دکرا دیا اور اُس کے اوپر چھوڑ دیا۔ اب میں وہ کام کیوں کروں جس کو آپ نے نہیں کیا۔ مگر حضرت عمرؓ کے اصرار سے وہ بھی اس ضرورت کو سمجھ گئے اور اس کام کے لئے تیار ہوگئے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے۔

حضرت زید بن ثابت نے کہا کہ جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مجھکو طلب فرمایا۔ جب میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ عمر بن الخطاب بھی انکے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھسے فرمایا کہ عمرؓ کہتے ہیں کہ

اِس لڑائی میں بہت سے حفّاظ قرآن مقتول ہو گئے ہیں مجھے خوف ہی کہ قرآن کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو جمع کرادو۔ میں نے کہا کہ میں وہ کام کیوں کروں جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمرؓ نے کہا کہ اس کا جمع کرادینا بہتر ہے اور اسی پر وہ اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میری سمجھ میں بھی یہ بات آگئی۔ اور میری رائے بھی اُن کی رائے کے مطابق ہوگئی۔

تم جوان اور عقلمند ہو ہمکو تمہارے اوپر اعتماد ہے۔ تم آنحضرتؐ کے کاتب وحی تھے۔ محنت کرکے قرآن کو جمع کرادو۔

زید کہتے ہیں کہ اللہ گواہ ہے کہ اگر وہ مجکو پہاڑ اٹھانے کا حکم دیدیتے تو وہ میرے لئے آسان ہوتا لیکن یہ بوجھ مجھے نہایت گراں معلوم ہوا۔

آخر میں آمادہ ہوا۔ کھجور کے پتوں۔ لکڑی کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے اس کو جمع کیا۔ صرف سورہ توبہ کی دو آخری آیتیں سوائے ابوخزیمہ انصاری کے اور کسی کے پاس مجکو نہیں ملیں۔

کیفیت جمع

صورت یہ تھی کہ زید بن ثابت۔ سالم موسے حذیفہ اور کئی آدمی اور جو اس کے اہل تھے قرآن جمع کرنے کے لئے مستعد ہوئے زید بن ثابت چونکہ آنحضرتؐ کے ساتھ رہا کرتے تھے اور ہمیشہ وحی لکھا کرتے تھے۔ نیز سارا قرآن اُن کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد کرایا تھا۔ اور اسی سال رمضان میں دو مرتبہ آپ نے پورا قرآن دہرایا تھا اس میں بھی زید شریک تھے اسلئے وہ اس جماعت کے سرگروہ قرار پائے۔

حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی کے سامنے کھڑے ہو کر سب سے کہہ دیا کہ جس شخص نے قرآن کی جس قدر سورتیں لکھ رکھی ہوں وہ ہمارے پاس لائے۔ صحابہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں کھجور کے پتوں۔ لکڑی کی تختیوں وغیرہ پر اسکو لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے اُن سب کو لاکر فراہم کردیا۔ زید بن ثابت اور اُن کے رفقاء گو خود سارے قرآن کے حافظ تھے لیکن مزید احتیاط کے لیے جو کچھ لکھا ہوا پاتے تھے یا کسی سے سُنتے تھے اُس پر دو معتبر گواہ لے لیتے تھے کہ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے آنحضرتؐ کے سامنے لکھا گیا ہے یا نہیں۔ اور فلاں نے جو کچھ سُنایا ہے اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سُنا تھا یا نہیں۔ جب گواہ گذر جاتے تھے تو اُس کو اپنے حافظہ اور اپنے نوشتہ سے ملا کر مقابلہ کرکے لکھ لیتے تھے۔

سورہ براٗت کی دو آخری آیتیں چونکہ بالکل آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں نازل ہوئی تھیں جس کے ۹ دن کے بعد آپ رحلت فرماگئے اسلئے وہ سب کے پاس لکھی ہوئی نہ تھیں۔ اور نہ عام طور پر اس کی اشاعت ہوسکی تھی صرف وہ صحابہ جانتے تھے جو دربار نبوی میں حاضر رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ۔ عثمانؓ۔ ابی بن کعب اور حارث وغیرہ رضی اللہ عنہم نے شہادت دی کہ ہم نے بھی ان دونوں آیتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنا ہے۔ اسلئے حضرت زید نے ان کو برارت کے آخر میں لکھدیا۔

علامہ محاسبی لکھتے ہیں

قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں لکھوا دیا تھا لیکن وہ چمڑوں تختیوں اور کھجور کے پتوں وغیرہ پر لکھا ہوا منتشر

اور متفرق تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں منتشر نوشتوں
اور صحیفوں کو صحت اور احتیاط کے ساتھ لکھوا کر ایک جگہ جمع
کرا دیا۔ اور شیرازہ لگا کر تاگے سے سی دیا۔ تاکہ اس کا کوئی
ورق ضائع نہ ہو۔ یہ مجموعہ بلا ایک حرف کے تغیر و تبدّل یا کمی
وبیشی کے بجنسہ وہی قرآن تھا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
لکھوایا تھا۔ اور بعینہٖ اسی ترتیب کے ساتھ لکھا گیا۔ اس میں اسقدر
احتیاط اور صحت کا لحاظ رکھا گیا تھا کہ کوئی لفظ قرآن کا نہ لکھنے
سے رہ گیا نہ کوئی بڑھایا گیا۔ اور بلا استثنا راس پر تمام اُمّت
کا اتفاق ہے۔

یہ ایک ایسا ثابت شدہ اور مسلم امر ہے کہ مخالفین اسلام بھی اسکے تسلیم کر لینے پر مجبور
ہو گئے ہیں۔ ولیم میور نے لکھا ہے۔

کوئی جزو۔ کوئی فقرہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں سُنا گیا کہ جس کو جمع
کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو۔ نہ کوئی لفظ یا فقرہ ایسا پایا جاتا جو
اس مسلّم مجموعہ میں داخل کر دیا گیا ہو۔ اگر ایسے الفاظ یا فقرے ہوتے
تو ضرور تھا کہ اُن کا تذکرہ اُن احادیث میں ہوتا جن میں محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی افعال اور اقوال
کی نسبت محفوظ رکھی گئی ہیں۔

کاغذ کا اس وقت تک وجود نہ تھا۔ یہ مجموعہ قرطاس پر لکھا گیا۔ اور حضرت ابوبکر خلیفۂ
اسلام کی حفاظت میں رکھ دیا گیا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا

جب اُنھوں نے انتقال فرمایا تو چونکہ کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا اسلئے اُنکی بیٹی اُم المومنین حضرت حفصہ نے جو پڑھی لکھی تھیں اُس کو اپنی امانت میں رکھا۔

صحابہ کو بوجہ جنگ اور اشاعتِ اسلام کی مصروفیت کے اس وقت موقع نہ مل سکا کہ اسکے نسخے ملک میں پھیلاتے اس زمانہ میں جسکے پاس جس قدر قرآن لکھا ہوا تھا یا جس کو جتنا یاد تھا وہ اسی کی تلاوت کرتا تھا۔

مصحف عثمانؓ

عرب میں مقامات اور قبائل کے لحاظ سے لب ولہجہ میں کسی قدر اختلافات تھے۔ مثلاً کوئی قبیلہ علامتِ مضارع کو مفتوح پڑھتا تھا کوئی مکسور کسی مقام کے لوگ حتّٰی کو عتّٰی ثمانیہ کو تمانیہ بولتے تھے۔ کہیں ابتدائی الف ی پڑھا جاتا تھا مثلاً امیر کو یمیر کہتے تھے۔ الغرض بعض بعض حروف کے مخارج اور اُن کی کیفیت ادا میں اسی قسم کے اختلافات تھے۔ چونکہ ان لفظی اختلافات سے قرآن کے معانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو کسی خاص لہجہ میں پڑھنے پر سب کو مجبور نہیں کیا۔ بلکہ اجازت عطا فرمائی کہ جو جس طرح پڑھ سکتا ہو پڑھے۔

جب اہلِ عجم اسلام لانے لگے تو عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان سے قرأت میں غلطیاں ہونے لگیں۔ اس بنا پر ۲۳ھ میں حضرت عثمانؓ نے ضرورت محسوس کی کہ اصل قرآن کی نقل صحیح قرأت کے مطابق لیکر تمام اسلامی صوبوں میں بھیجدی جائے۔ تاکہ اسی کے مطابق لوگ قرآن کو پڑھیں۔ اور اختلافات مٹ جائیں۔ اس کی مفصل کیفیت صحیح بخاری میں اس طرح پر مروی ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان اہلِ عراق کے ساتھ جنگ آرمینیہ وآذربیجان میں شریک تھے وہ عراقیوں کا قرآن سُنکر اور اُن کے اختلافات قرأت کو دیکھکر بہت گھبرائے۔ مدینہ میں آکر حضرت عثمان سے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی کتابوں میں اختلافات ڈالدیئے ہیں اسی طرح مسلمان بھی قرآن میں اختلافات پیدا کر دیں۔ ابھی بہت سویرا ہے جلدی خبر لو۔ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس سے مصحف اصلی کو منگا کر زید بن ثابت۔ عبداللہ بن زبیر۔ سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن الحارث کو مقرر کیا کہ اس کو نقل کریں۔ زید بن ثابت کے سوا باقی تینوں قریشی تھے انکو یہ ہدایت کی کہ جب تم میں اور زید بن ثابت میں کسی لفظ کی قرأت کے متعلق کوئی اختلاف واقع ہو تو قریش کے لہجہ کی رو سے فیصلہ کرنا کیونکہ قرآن قریش ہی کی زبان میں اُترا ہے۔

حضرت عثمان کا کام

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔

حضرت عثمان نے کوئی مزید کام نہیں کیا۔ صرف یہی کیا کہ قرأت کے اختلافات چونکہ بڑھ رہے تھے اُنھوں نے معتبر صحابہ کے ہاتھوں سے اُسی قرآن کو جس کو حضرت ابوبکر صدیق نے جمع کرایا تھا مستند قرأت کے مطابق جو رسول اللہ سے ثابت تھی نقل کرا لیا۔ چنانچہ نقل کے زمانہ میں جب کسی قرأت میں باہم اختلاف پڑتا تھا تو بعض بعض صحابہ

جن کی نسبت گمان ہوتا کہ اسکے متعلق وہ کوئی صحیح علم رکھتے ہونگے
تین تین دن کی مسافت سے تصفیہ کے لئے بلائے جاتے جس
آیت یا لفظ کے متعلق اختلاف ہوتا تھا اُس کی جگہہ خالی چھوڑ دیتے
تھے۔ جب مستند ذریعہ سے وہ اختلاف طے ہو جاتا تھا اور صحیح
قرأت کا آنحضرت ؐ سے ثبوت مل جاتا تھا تو اس کو اس کی جگہہ پر لکھ
دیتے تھے۔

حضرت عثمان نے بلا کسی کمی بیشی کے اسی ترتیب اور اسی حیثیت کے ساتھ اس قرآن کے نسخے لئے جو باتفاق اُمت خلافت صدیقی میں جمع کیا گیا تھا صرف اختلافات قرأت کو رفع کرنے کی غرض سے کاتبوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ جب کوئی لفظ مختلف القرأت ہو اور اس کے بارے میں تم میں اور زید بن ثابت میں اختلاف واقع ہو تو اس لفظ کو اس طرح لکھنا جس طرح قریش بولتے ہوں۔ کیونکہ قرآن قریش کی زبان زبان میں اُترا ہے۔

اختلاف کی ایک مثال

یہ اختلافات اگرچہ نہایت خفیف اور صرف حروف کی کیفیت ادا اور مخارج تک محدود ہوتے تھے لیکن ان کی بھی نہایت کوشش کے ساتھ تنقیح کی جاتی تھی۔ حافظ ابن حجر اسی قسم کی ایک مثال لکھتے ہیں کہ تابوت کے لفظ میں اختلاف واقع ہوا زید بن ثابت کہتے تھے کہ تابوہ ہے متعدد صحابہ سے اس کی تحقیق کی گئی۔ آخر میں خود حضرت عثمان نے فیصلہ کیا کہ قریش تابوت بولتے ہیں اس لئے یہی قرأت صحیح ہے۔ چنانچہ یہی لکھا گیا۔

جمع ابوبکرؓ و عثمانؓ میں فرق

علامہ ابن التین لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور عثمانؓ کے جمع کرنے میں یہ فرق تھا کہ حضرت ابوبکرؓ
نے تو اس خوف سے جمع کیا تھا کہ قرآن کہیں ضائع نہ ہو جائے۔
کیونکہ اس وقت وہ منتشر اور متفرق صحیفوں میں تھا۔ انہوں نے ان
سب کو لیکر آیتوں اور سورتوں کی اسی ترتیب کے ساتھ جس ترتیب
کے مطابق آنحضرتؐ نے لکھایا اور پڑھایا تھا ایک شیرازہ میں جمع
کر دیا۔ اور حضرت عثمانؓ نے جب وجوہ قرأت میں لوگوں کو اختلاف
کرتے ہوئے دیکھا تو اس قرآن کو صحیح قرأت کے ساتھ جو عرضۂ اخیرۂ
رسول کے مطابق تھی اور جسکی صحت میں مطلق شبہ نہ تھا نقل کرا دیا
تاکہ اختلافاتِ قرأت رفع ہو جائیں۔

انہوں نے نہ ترتیب میں تاخیر کی نہ تقدیم کی نہ اس میں کسی تاویل کو
دخل دیا۔ صرف قرأت میں لوگوں کے شبہ یا فساد کرنے سے قرآن کو
محفوظ کر دیا۔

مصحف عثمانؓ پر اجماع

حضرت عثمانؓ کے اس فعل سے اس وقت اُمت میں کسی فرد واحد نے بھی اختلاف
نہیں کیا۔ قاضی ابوبکر نے لکھا ہے۔

حضرت علیؓ کا قول تھا کہ اگر اس وقت میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی وہی
کرتا جو عثمانؓ نے کیا۔ کیونکہ اسکے سوا چارہ کیا تھا۔

الزام تحریف

بیان کیا جاتا ہے کہ مصحف اصلی کی نقل لینے کے بعد حضرت عثمان نے بعض متفرق صحیفوں کو جو لوگوں کے پاس تھے اور صحیح قرأت کے مطابق نہ تھے جلانے کا حکم دیدیا بعض فرقے اس کو حضرت عثمان کے معائب میں بڑے شدّومدّ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور ان پر تحریف قرآن کا الزام لگاتے ہیں لیکن عقل کے نزدیک اگر انھوں نے ایسا کیا تو اُن کا یہ فعل نہایت مستحسن تھا۔ کیونکہ ان اجزا ر سے اختلاف قرأت کا اندیشہ تھا جس سے کہ وہ اُمت کو بچانا چاہتے تھے۔ اس لئے ایسی حالت میں جبکہ باتفاق صحابہ قرأت صحیحہ کے مطابق قرآن لکھ لیا گیا ان اختلافی مواد کا جلادینا اُمت پر بہت بڑا احسان تھا۔

عثمانی مصاحف موجود ہیں

حضرت عثمان نے ایک ایک نقل مصر۔ کوفہ۔ بصرہ۔ مکّہ۔ شام۔ یمن اور بحرین کے عاملوں کے پاس بھجوادی اور لکھا کہ یہ نسخہ قرأت صحیحہ کے مطابق لکھوادیا گیا ہے اسی قرأت کے ساتھ مسلمان قرآن کی تلاوت کریں۔

ایک نقل مدینہ میں خود اپنے پاس رکھ لی تھی۔ اس کا نام امام تھا۔

مصحف اصلی ۶۶ھ میں مروان کے ہاتھ سے کسی سفر میں ضائع ہوگیا۔ لیکن حضرت عثمان کے لکھائے ہوئے نسخے مکّہ۔ مدینہ۔ دمشق اور فاس میں اب تک موجود ہیں مدینہ کے نسخے کے آخر میں یہ یادداشت بھی ہے کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے لکھا گیا۔

وہ نسخہ جس کا نام امام تھا اور جس کی تلاوت کرتے ہوئے حضرت عثمان قتل کئے گئے تھے وراثتاً بنی اُمیہ کے پاس رہا۔ اور ان کی خلافت کے ساتھ دمشق سے

منتقل ہو کر اندلس میں چلا گیا۔ سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ وہ قرطبہ کی جامع مسجد میں موجود تھا۔ جب اسلامی سلطنت کو وہاں زوال ہوا تو مراقش کے دارالخلافہ فاس میں منتقل کیا گیا۔ تاریخ ادریسی سے بھی اس کی سند ملتی ہے۔ اس نے جامع قرطبہ کی کیفیت بیان کرنے کے بعد اُن رسومات کو بھی لکھا ہے جو اس قرآن کے متعلق وہاں ادا کی جاتی تھیں۔

ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی ہجری میں سیّاحی کی ہے لکھتا ہے کہ یہ مصحف جامع بصرہ میں موجود ہے۔ اور اس پر خلیفہ کے خون کے دھبّے اب تک نمایاں ہیں۔

اب بیان کیا جاتا ہے کہ روس کے قدیم دارالخلافہ ماسکو میں مسلمانوں نے ۱۹۴۰ء میں کتب خانہ قائم کیا ہے اس کے لئے بخارا سے کچھ کتابیں لائی گئی ہیں اُن میں وہ امام بھی ہے۔ اس پر خون کے نشانات ہیں۔

مصحف علیؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مصحف عثمانی کی جو نقلیں کی تھیں کہا جاتا ہے کہ اُنہیں سے ایک مشہد علی میں محفوظ ہے اس پر اُن کے دستخط بھی بنے ہوئے ہیں۔ قرآن کے چند اوراق جن کی نسبت مشہور ہے کہ حضرت علی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں لاہور کی شاہی مسجد کے توشہ خانہ میں ہیں۔

رسم الخط

جس رسم الخط کے مطابق یہ مصاحف ابتدا میں لکھے گئے تھے اب تک مسلمان اسی طرح ان کو لکھتے چلے آتے ہیں۔ اس میں سوائے اسکے کچھ فرق نہیں آیا کہ پہلے آیتوں کی شکل (.:.) تین نقطوں کی تھی اب وہ گول دائرہ کی صورت کر دی گئی ہے۔

صدرِ اوّل میں نقطے بھی نہیں لگائے جاتے تھے نہ اعراب دیئے جاتے تھے۔ اور اُمت کا تواتر قرأت کافی سمجھا جاتا تھا۔ جب حدودِ اسلام زیادہ وسیع ہو گئے تو مزید احتیاط کے لئے حجاج بن یوسف نے نصر بن عاصم کاتب سے اس قسم کے مصاحف لکھائے جن میں نقطوں اور حرکتوں کا پورا پورا خیال رکھا گیا۔ اور اُس وقت سے اس کی پابندی ہونے لگی۔

نیز ابتدا میں قرآن خط کوفی میں لکھا جاتا تھا۔ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ابن مقلہ وزیر نے جب خط نسخ کو درست کیا تو اس میں لکھا جانے لگا۔

شیعہ اور قرآن

فرقہ شیعہ کی ایک جماعت نے جب اُن عقائد کو جو امامت اور ائمہ اہل بیت کے متعلق ان کو تلقین کئے گئے تھے قرآن میں نہ پایا اور نہ اپنے اماموں کے نام کی کوئی سورہ اُن کو ملی تو اُنہوں نے کہہ دیا کہ قرآن ناقص ہے اور صحابہ نے اسمیں سے کچھ اجزا نکال ڈالے ہیں۔ لیکن جن کو کچھ بھی علم تھا اُنہوں نے تسلیم کیا کہ قرآن مجید ہر قسم کی نقص و زیادتی سے پاک ہے اور کوئی تغیر و تبدل اس میں واقع نہیں ہوا ہے۔

علامہ ابو جعفر محمد بن علی بن موسیٰ بابویہ قُمّی لکھتے ہیں۔

اعتقادنا فی القران انه کلام الله ووحیه وتنزیله وکتابه وانه لایاتیه الباطل من بین یدیه ولا	ہمارا اعتقاد قرآن پاک کی نسبت یہ ہے کہ وہ اللہ کا کلام۔ اللہ کی وحی۔ اللہ کی تنزیل اور اللہ کی کتاب ہے۔ یقیناً باطل نہ اسکے آگے

من خلفه - وانه لقصص الحق وانه	سے اس میں شامل ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے
لقول فصل وما هو بالهزل وان	اس میں سچی باتیں ہیں اور کھری باتیں ہیں
الله تبارك وتعالیٰ محدثه ومنزله	وہ مذاق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا پیدا
وربّه وحافظه - وان القرآن الذی	کرنے والا۔ آتارنے والا۔ رب اور نگہبان ہے
أنزله الله تعالیٰ علیٰ نبیّه محمّد	وہ قرآن جس کو اللہ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ
صلی الله علیه وسلم هو ما بین	علیہ وسلم پر اُتارا تھا وہی ہے جو اب دونوں
الدّفتین وهو ما فی ایدی النّاس	دفتیوں میں ہے اور لوگوں کے ہاتھوں میں ہے
لیس باکثر من ذالك (کتاب الاعتقادقلمی)	اس سے زیادہ نہیں تھا۔

اس قول میں بجز اسکے کہ کلام اللہ کو مخلوق کہا ہے بعینہ اسی عقیدہ کا اظہار ہے جو جمہور اہل اسلام کا ہے۔

علامہ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں شریف مرتضیٰ علم الہدٰے کا قول نقل کیا ہے۔

ان القرآن کان علی عهد رسول الله	حقیقت یہ ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ
صلی الله علیه وسلم مجموعًا مولفًا	علیہ وسلم کے زمانہ میں اسی طرح مکمل اور مرتب
علیٰ ما هو علیه الآن - واستدل	تھا جس طرح کہ اب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے
علیٰ ذالك بان القرآن کان	کہ اس زمانہ میں لوگ پورا قرآن پڑھتے تھے اور
یدرس ویحفظ جمیعه فی ذالك الزمان	حفظ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک جماعت اسی
حتی عین جماعة من الصحابة فی	کے حفظ کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ اور جو
حفظهم له - وانه کان یعرض علی النبی	لوگ یاد کرتے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم ویتلی علیہ - و
ان جماعۃ من الصحابۃ مثل عبداللہ
بن مسعود وابی بن کعب وغیرھما
ختموا القراٰن علی النبی صلی اللہ علیہ
وسلم عِدۃَ ختماتٍ وکل ذالک یدل
بادنیٰ تامل علی انہ کان مجموعاً ومولفاً
غیر مبتورٍ ومبثوثٍ وان من خالف
ذالک من الامامیۃ والحشویۃ لا یعتد
بخلافھم - فان الخلاف مضاف الی قومٍ من
اصحاب الحدیث نقلوا اخباراً ضعیفۃً ظنّوا
صحّتھا - لا یرجع بمثلھا عن المعلوم
المقطوع صحتہ (تفسیر مجمع البیان للطبرسی جلد ا صفحہ مطبوعہ ایران)

کے پاس جاکر اس کو دہراتے تھے اور سناتے
تھے - صحابہ میں سے ایک جماعت مثلاً عبداللہ
بن مسعود اور ابی بن کعب وغیرہ نے کئی بار سارا
قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنایا - ان سب
باتوں پر تھوڑا سا غور کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے
کہ قرآن مکمل مدوّن اور مرتب تھا نہ کہ منتشر اور
متفرق - امامیہ اور حشویہ میں سے جن لوگوں نے
اسکے خلاف کہا ہے وہ کسی شمار قطار میں نہیں
ہیں - کیونکہ یہ اختلاف ان چند راویانِ حدیث
کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جنھوں نے ضعیف روایتیں
نقل کرکے اُن کو صحیح خیال کر لیا - ایسی روایتیں
ایک قطعی اور یقینی اعتقاد کو زائل نہیں کر سکتیں

علامہ محمد بن الحسن الحر العاملی جو فرقہ امامیہ کے مشہور محدث ہیں اُنکا قول ہے:

ہر کسیکہ تتبع آثار و تفحص تواریخ و اخبار نمودہ بعلم یقینی میداند کہ قرآن
درغایت و اعلیٰ درجۂ تواتر بودہ - وآلاف صحابہ حفظ و نقل میکردند آنرا -
و در عہد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجموع و مؤلّف بودہ -

(شرح کافی ملا صادق صفحہ ۷۶ جلد ۲ مطبوعہ قسطنطنیہ)

ملا محسن تفسیر صافی میں لکھتے ہیں -

قد روی جماعۃ من اصحابنا وقوم

ہمارے فرقہ کی ایک جماعت اور عوام حشویہ

من الحشوية العامة ان فی القرآن
تغيرا ونقصانا۔ والصحيح من مذهب
اصحابنا خلافه۔ وبلغت حدا لم تبلغه
فی ما ذکرناه لان القرآن معجزة النبوة
وماخذ العلوم الشرعية والاحکام
الدينية۔ وعلماء المسلمين قد
بلغوا فی حفظه وحمايته الغاية حتی
عرفوا کل شئ اختلف فيه من
اعرابه وقراته وحروفه وآياته
فکيف يجوز ان يکون مغيرا او منقوصا
مع العناية الصادقة والضبط الشديد

نے روایت کی ہے کہ قرآن میں تغیر اور نقصان
ہے۔ لیکن صحیح مذہب ہمارے اصحاب کا اسکے
خلاف ہے جو اس سے بھی زیادہ ہے جتنا ہم نے
بیان کیا۔ کیونکہ قرآن نبوت کا معجزہ ہے علوم
شرعیہ اور احکام دینیہ کا ماخذ ہے۔ علماء اسلام
اس کی حفاظت اور حمایت حد سے زیادہ کرتے
آئے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے اعراب قرات
حروف اور آیات کے تمام اختلافات کو انہوں
نے منضبط کر لیا۔ پھر باوجود اس قدر ضبط شدید
اور انتہائی توجہ کے یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ قرآن
میں تبدیلی یا کمی ہو جاتی۔

سید العلماء مولانا سید حسین لکھتے ہیں

وبیانِ امر ثانی یعنی سہولت اثبات تواتر قرآن مجید و مصحف حمید بنا بر
طریقۂ اہل حق پس ازیں است کہ زمانِ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام امتداد
کشید۔ و از سیرت و عمل حضرات دریں مدّ ممتد اولہ بجز تسلیم قرآنیت
ما بین الدفتین امرے دیگر بظہور نہ پیوستہ۔ بلکہ در کتابت و تلاوت
و اظہار فضل و کرامت و بیان فضائل و مثوبات سور و آیات و مقام
احتجاج بر خصام و استناد بر احکام واحدًا بعد واحدٍ مدار کار بریں مصاحف
بود و تعویل و اعتماد بر آں نمودہ اند۔

اس کے بعد پھر لکھتے ہیں

ولم یزل الرواة عنہم ونقلة الاٰثار منہم صلواة اللہ علیہم کانوا متفقین ومجتمعین علی نقل ذالك - وقد تعاضدت کلماتہم وتواترت روایاتہم علی ھذا المعنی بحیث لا یشك فیہ ولا ریب یعتریہ - واذا ثبت اعتبار الائمة علیہم السلام علی ذالك واستنادھم ورکونہم الیہ فقد زال احتمال الزیادة والالحاق وتوھم الاختلاق وقولہم وتقریرھم وفعلہم حجة بالاتفاق -

ہمیشہ سے رواۃ اور ناقلین ائمہ صلوات اللہ علیہم سے بالاتفاق اور بالاجماع اسی قرآن کو نقل کرتے ہوئے چلے آئے ہیں - اور اس امر کی اس قدر قوی اور متواتر روایتیں ہیں کہ اُن میں نہ شک ہو سکتا ہے نہ شبہ کیا جا سکتا ہے - اور جب ائمہ علیہم السلام کا اسی قرآن پر اعتبار کرنا اسی کو سند سمجھنا اور اسی پر مدار کا رکھنا ثابت ہوگیا تو اس کے متعلق زیادتی اور الحاق کا احتمال اور جھوٹ کا وہم بالکل زائل ہوگیا اس لئے کہ ائمہ کا قول و فعل اور بیان بالاتفاق حجت ہے -

(حدیقۂ سلطانیہ مطبوعہ شاہی باب سوم صفحہ ۸۶ سطر ۱۷)

ملا صادق نے شرح کلینی میں لکھا ہے -

یظہر القرآن بھذا الترتیب عند ظہور الامام الثانی عشر ویشہر بہ

بارہویں امام کے ظہور کے وقت یہی قرآن اسی ترتیب کے ساتھ ظاہر ہوگا اور دنیا میں پھیلیگا -

قاضی نور اللہ شوستری مصائب النواصب میں لکھتے ہیں

ما نسب الی الشیعة الامامیة بوقوع التغییر فی القرآن لیس مما قال

شیعہ امامیہ کی طرف یہ بات جو منسوب کی گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں تغیر واقع ہوگیا

به جمهور الامامية انما قال به شرذمة قليلة لا اعتداد بهم فيما بينهم۔	ہے جمہور امامیہ اسکے قائل نہیں ہیں۔ اس کا قائل صرف ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو امامیہ میں کسی شمار میں نہیں سمجھا جاتا۔

مجتہد العصر مولانا سید دلدار علی قرآن کے مکمل ہونے کے دلائل لکھنے کے بعد کہتے ہیں۔

فهذا الذی تلونا علیك من كلام الاصحاب یشهد علیٰ ابین الوجوہ انّ ماقلنا بتواتر ما بین الدفتین من وقت الرسول صلی الله علیه وسلم الیٰ زماننا هذا هو المطابق للحق والصواب (عماد الاسلام جلد سوم صفحہ ۳۳)	سلف کے یہ اقوال جو ہم نے بیان کئے نہایت بدیہی طور پر اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ ہمنے جو یہ کہا ہے کہ قرآن جو دونوں دفتیوں میں موجود ہے اس کا تواتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہمارے زمانہ تک ثابت ہے بالکل ٹھیک اور حق کے مطابق ہے۔

یہ ان علماء امامیہ کے اقوال ہیں جو اہل تشیع میں مقبول اور مستند ہیں۔ اور ان اقوال میں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے تقیہ سے کہا ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے علماء اہل سنت کی تردید میں رسائل لکھے ہیں ان کی نسبت تقیہ کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ اور ابو جعفر قمی کی کتاب الاعتقاد اور ملا محسن کی تفسیر صافی یہ دونوں کتابیں شیعہ کے نصاب درس میں داخل ہیں۔ اس لئے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے عقیدہ کے خلاف اپنے فرقہ کو تعلیم دینگے۔

اختلافاتِ قرأت

اس امر میں مطلق اختلاف نہیں ہے اور نہ اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ قرآن
اوّل سے آخر تک بالکل متواتر ہے عہدِ نبوت سے لیکر آج تک اس کے اس قدر حافظ
رہے ہیں کہ اس میں ایک حرکت بلکہ ایک نقطہ کا بھی فرق نہ واقع ہو سکا۔ نیز اس کی
وضع اور اس کی ترتیب سب متواتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ بسم اللہ
الرحمٰن الرحیم کے قرآن کی آیت ہونے پر بہت سی حدیثیں شاہد ہیں لیکن چونکہ وہ
متواتر نہیں ہیں اس لئے اس کو آیت نہیں شمار کرتے صرف امام شافعی ایک ایسے
شخص ہیں جنہوں نے ان حدیثوں اور تعاملِ اُمّت کے اجماع سے یہ نتیجہ نکالا ہے
کہ اس میں تواترِ معنوی ہے اس لئے اُنہوں نے بسم اللہ کو بھی قرآن کی آیت کہدیا ہے

قرأت قرآن میں جس قدر اختلافات واقع ہوئے ان کے چند وجوہ ہیں جنمیں
سے ایک بڑی وجہ رسم الخط ہے۔

عرب میں گو خاص خاص لوگ جو ملوک یا صنادید کے پاس بڑے بڑے عہدوں
پر ملازم تھے نہایت عمدہ عربی خط لکھتے تھے لیکن عام طور پر اہل عرب لکھنا نہیں جانتے
تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی کہ ان کی زندگی میں لکھنے کی ضرورت کم پڑتی تھی۔ علاوہ بریں
وہ شجاعت اور فیاضی وغیرہ کو انسان کا جوہر اور معیار شرافت سمجھتے تھے اور
کتابت ان کے نزدیک ایک پیشہ خیال کیا جاتا تھا جو نوکروں اور غلاموں کا شیوہ
تھا۔ البتہ وہ شرفا بھی جن کی تجارت کے کاروبار وسیع ہوتے تھے ضرورتاً کچھ لکھنا
پڑھنا سیکھ لیتے تھے تاکہ اپنا حساب وغیرہ رکھ سکیں۔ لیکن اکثر وہ نہ اچھی طرح قواعد

کتابت سے واقف ہوتے تھے نہ ان کا خط صاف ہوتا تھا۔

آنحضرتؐ نے جن صحابہ کرام سے قرآن لکھوایا تھا ان میں سے بعض اسی قسم کا معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی کتابت میں کہیں کہیں کلی قانون ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مثلاً قال کو ایک جگہ الف سے لکھا ہے تو دوسری جگہ قٰل بلا الف کے ہے۔ سورۂ نمل میں (لَاَذْبَحَنَّهٗ) کو ایک غیر ضروری الف زیادہ کر کے (لَا اَذْبَحَنَّهٗ) لکھا ہے۔ اسی طرح (بِاَیْدٍ) کو (بِاَیْیدٍ) (عَالِیَهُم) کو (عٰلِیَهُم) وغیرہ وغیرہ

علاوہ بریں اس زمانہ میں تحریر میں نقطوں کے لگانے کا دستور نہ تھا۔ اور حرکتیں بھی نہ تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے جب قرآن کو جمع کرایا تو انہوں نے بھی بعینہٖ اسی طرح اس کو نقل کرالیا جس طرح وہ عہدِ نبوت میں لکھا گیا تھا۔

وجوہ اختلاف

رسم الخط کے متعلق اس قدر لکھنے کے بعد یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اختلاف قرأت کا ایک اہم سبب یہی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی وجوہات ہیں ہم سب کو تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔

(۱) نقطہ نہونے کی وجہ سے اہل عرب کو تو کوئی دشواری پیش نہیں آئی لیکن اہل عجم نے کہیں کہیں غلطی کھائی۔ مثلاً یعلمون کو تعلمون پڑھ دیا۔

(۲) حرکت نہ ہونے کے سبب سے معروف کو مجہول اور مجہول کو معروف سمجھا بعض مقامات پر دو ہم شکل لفظوں میں امتیاز نہ کیا۔ مثلاً رَوْح کو رُوح پڑھا۔

(۳) رسم الخط سے دھوکا کھایا۔ جیسے یُخٰدِعون کو یَخْدَعُون۔ عٰلِیَهُم کو عَلَیْهِم

لَمَسْتُم کو لَمَسْتُم۔ یَطَّہَّرْن کو یَطْہُرْن پڑھا۔

(۴) جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لب و لہجہ کے اختلاف کی وجہ سے حروف کی کیفیت ادا میں کہیں کہیں اختلافات پڑ گئے تھے۔ کوئی ل۔ ر اور ز۔ ذ میں امتیاز نہیں کرتا تھا۔ کہیں ع کو ق اور ق کو گاف بولتے تھے۔ عہد نبوت میں ہر ایک قبیلہ کو جس طرح وہ قرآن پڑھ سکتا ہو پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اور اس معاملہ میں کوئی سختی روا نہیں رکھی گئی تھی۔

صحیح بخاری میں روایت ہے۔

حضرت عمر مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے ہشام بن حکیم جو قبیلہ بن اسد کے تھے وہاں سورۂ فرقان پڑھنے لگے۔ بعض حروف کو انہوں نے دوسرے طور پر ادا کیا۔ حضرت عمر جنہوں نے اب تک اس قسم کی قرات نہیں سنی تھی نماز سے فارغ ہو کر ان کے پاس گئے۔ اور کہا کہ تم قرآن کس طرح پڑھ رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ مجکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھایا ہے۔ حضرت عمر یہ سنکر ان کی گردن میں چادر ڈالکر آنحضرتؐ کے پاس ان کو پکڑ لائے۔ اور کہا کہ یہ قرآن غلط پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سیکھا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا چھوڑ دو۔ اس کے بعد حضرت عمر کو حکم دیا کہ سورۂ فرقان سناؤ۔ انہوں نے سنائی۔ فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ پھر ہشام سے کہا کہ تم سناؤ۔ انہوں نے بھی سنائی اور اسی طرح وہ حروف ادا کئے جس طرح مسجد میں کئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ تم نے بھی ٹھیک پڑھی۔ پھر حضرت عمر کی طرف مخاطب
ہو کر کہا کہ "اَلْقُرْاٰنُ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ" یعنی قرآن سات
پہلو سے اتارا گیا ہے جس پہلو سے آسان معلوم ہو پڑھو۔

یہی وجوہات ہیں جن سے قرأت میں اختلافات واقع ہو گئے تھے۔ مگر الحمد للہ کہ ان اختلافات کا قرآن پر مطلق اثر نہیں پڑا۔ کیونکہ حضرت عثمان نے ائمہ قراء اور صحابۂ کبار کی موجودگی میں ان کا قلع قمع کر کے تمام امت کو صحیح و ثابت قرأت پر مجتمع کر دیا۔

کتابت قرآن میں انہوں نے بھی بلا کسی کمی بیشی کے مصحف اصلی کے رسم الخط کو بحال رکھا۔ لیکن پڑھنے میں سب کو ایک قرأت کا پابند کر دیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عرضۂ اخیرہ کے مطابق تھی۔ علامہ زمخشری کشاف میں لکھتے ہیں۔

گو قرآن کے رسم الخط میں بعض الفاظ خلاف قیاس لکھے گئے ہیں لیکن
ان سے کوئی خرابی واقع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اُن کا تلفظ سبھی جانتے
ہیں۔ اور یہ اہل اسلام کا کمال تحفظ ہے کہ باوجود اس کے کہ ان چند
الفاظ کے صحیح کر دینے سے کوئی نقصان نہ تھا لیکن انہوں نے نہیں کیا
اور جس طرح صحابہ کا لکھا ہوا پایا اسی طرح آئندہ نسلوں کو پہونچاتے گئے

مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے۔

قرأت کے اختلافات قرآن کے تواتر میں مطلق خلل انداز نہیں ہو سکے
کیونکہ ان اختلافات کا مرجع کیفیت ادائے حروف تھا۔

الغرض کسی طرح پر بھی قرآن میں ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں آنے پایا۔ اور آج تمام

دنیا میں اس سرے سے جہاں کہ سورج نکلتا ہے اُس سرے تک جہاں کہ وہ غروب ہوتا ہے ایک ہی قرآن بلا کسی فرق کے متداول۔ مقبول اور معمول بہ ہے۔

تدوین فن قرأت

حروف کے مخارج اور کیفیت ادا میں جو اختلافات پائے گئے بعض لوگوں نے اُن کو منضبط کرنا شروع کیا۔ ہر ہر اختلاف کو بسلسلۂ اسناد روایت کرتے تھے۔ اس طرح پر اُنھوں نے جزی سے جزی اختلافات نقطوں اور حرکتوں تک کے جمع کر لئے۔ مقصد یہ تھا کہ کل اختلافات بطور یادداشت کے تحریر میں آجائیں تاکہ پھر کوئی اختلاف نہ پیدا کر سکے اور قرآن بالکل محفوظ رہے۔

لیکن بعض جاہل اور خود غرض لوگوں نے اس میں جھوٹی روایتیں گھڑکر شامل کرنی شروع کیں۔ جن کے مختلف وجوہات ہوتے تھے۔

(۱) کبھی محض اپنی وسعت معلومات کا اظہار۔ جیسے **یعقوب عطّار** یا **ابن شنبوذ** بغدادی تھے کہ عجیب و غریب قرأتیں روایت کر کے لوگوں کے دلوں پر اپنے علم کا سکّہ جمانا چاہتے تھے۔ اور اپنے آپ کو پیشوا بنانے کی تدبیر کرتے تھے لیکن قرآن کی حفاظت کے لئے ہر زمانہ میں تائیدالٰہی کے شہاب ثاقب اسکے ساتھ لگے ہوئے ہیں یہ بدبخت بجائے کسی نفع پانے کے اُلٹا نقصان اُٹھاتے تھے چنانچہ **یعقوب** کو خود خلیفہ وقت نے اور **ابن شنبوذ** کو **ابن مقلہ** وزیر نے کوڑوں سے خوب پٹوایا تب ان دونوں نے اپنے کذب کا اقرار کیا اور آیندہ کے لئے اپنی اس ناشائستہ حرکت سے توبہ کی۔

(۲) کبھی بعض لوگ اپنے عقیدہ کی حمایت کے لئے اس قسم کی روایتیں گھڑتے

تھے۔ مثلاً اس آیت میں

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ	اے رسول جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس اُتارا گیا ہے اُسے لوگوں کو پہونچا دے۔

(فِي عَلِيٍّ) کا اضافہ کیا۔ یعنی جو کچھ علیؓ کے بارہ میں اُتارا گیا ہے اُس کو پہونچا دے یہ روایت محض شیعیت کی حمایت کے لیے تراشی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے سلسلہ اسناد میں شیعہ ہیں۔

(۳) کبھی راوی کو غلط فہمی ہو جاتی تھی۔ وہ اپنے اُستاد سے قرآن کی آیت سنتا تھا۔ اُستاد کسی لفظ کی تفسیر بھی کر دیتا تھا راوی بوجہ حافظ نہ ہونے کے اُس کو آیت کا جزو سمجھکر روایت کرتا تھا۔

الغرض انہیں وجوہات سے اختلافاتِ قرأت کی روایتیں زیادہ بڑھ گئیں۔ یہ دیکھکر ائمہ اُمت مستعد ہوئے۔ اور اُنہوں نے صحیح و ضعیف۔ مدرج اور موضوع ہر قسم کی روایتوں کو چھانٹ کر الگ الگ کر دیا۔ اور اسکے اُصول اور ضوابط مقرر کر کے اسکو ایک فن بنا دیا جس میں آج بھی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ اور اُن میں جزی سے جزی اختلافات نقطوں اور حرکتوں تک کے مسلسل بالاسناد منضبط ہیں۔

اختلافاتِ قرأت کے متعلق مزید تفصیل غیر ضروری ہے۔ کیونکہ جس عمدہ اور مناسب وقت پر ان کا استیصال ہونا چاہیئے تھا الحمد للہ کہ ویسے ہی وقت پر ہو گیا۔ اور حضرت عثمانؓ نے صدر اوّل ہی میں باجماع صحابہ ساری اُمت کو ایک قرأت پر قائم کر دیا۔

تجوید قرأت

تجوید کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کی تلاوت میں حروف اپنے اصلی مخارج سے صحت اور خوبی کے ساتھ نکالے جائیں۔ آنحضرتؐ اس کی بڑی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ عبداللہ بن مسعود کی تجوید کے مطابق پڑھو۔ کیونکہ وہ حروف کو نہایت عمدگی کے ساتھ انکے مخارج سے نکالتے تھے۔ اور ترتیل کے ساتھ تلاوت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾ | قرآن کو ٹھیر ٹھیر کے پڑھا کرو

صحابہ اور تابعین تک قرآن سادگی اور ترتیل کے ساتھ پڑھا جاتا تھا۔ اور اسی کو تجوید کہتے تھے۔ لیکن زمانہ مابعد میں اس کی نئی نئی صورتیں نکالی گئیں۔

اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ عربی کا یہ شعر بہت گایا جاتا تھا۔

اَمَّا الْقَطَاۃُ فَاِنِّیْ سَوْفَ اَنْعَتُھَا — نَعْتًا یُوَافِقُ عِنْدِیْ بَعْضَ مَا فِیْھَا

اسی کی لَے پر ایک شخص نے اس آیت کو گانا شروع کیا۔

اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ ﴿۷۹﴾

عوام نے اس کو پسند کیا۔ پھر اور بھی اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ تجوید نے بالکل غنا کی شکل اختیار کرلی۔ اور اس کے مختلف لہجے قرار پائے۔

(۱) ترعید۔ ہر ایک حرف اور لفظ نکالتے وقت لرزہ کا اظہار کرنا۔ جیسے کوئی خوف یا سردی سے کانپ رہا ہو۔

(۲) ترقیص۔ سکون کی جگہ بظاہر سکون کا اظہار کرتے ہوئے جھٹکے سے آگے

بڑھ جانا۔ جیسے معلوم ہو کہ کوئی چیز ناچتی ہوئی نکل گئی۔

(۳) تطریب۔ ترنم اور نغمہ کے ساتھ پڑھنا۔ جہاں مد نہ ہو وہاں بھی کھینچنا اور جہاں ہو وہاں اور بڑھا دینا۔

(۴) تحزین۔ اس طرح پڑھنا جس سے رنج ظاہر ہو۔ اور معلوم ہو کہ پڑھنے والا اب روتا ہے۔ اس سے زیادہ تر خشوع اور خضوع کا اظہار مقصود ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ کئی آدمی ملکر ایک ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور آواز کو برابر رکھنے کے لئے الفاظ کو کاٹ دیتے ہیں۔ مثلاً افلا یعلمون کو افل یعلمون۔ اٰمنوا کو امن کہدیتے ہیں۔

لیکن یہ تمام صورتیں تجوید القرآن کی بہ نسبت تحریف القرآن کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اصلی تجوید صرف یہ ہے کہ قرآن ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھا جاوے اور حروف صحت کے ساتھ ادا کئے جائیں۔

اعجازِ قرآن

معجزہ اس خلاف معمول امر کو کہتے ہیں جو بارادۂ الٰہی نبی کے توسط سے صادر ہو اور کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔

(۱) حسّی۔ یعنی وہ جو آنکھوں سے نظر آوے جو سر میں اللہ تعالے نے لگائی ہیں۔ جیسے عصائے موسیٰ۔ ید بیضا۔ ناقۂ صالح۔ یا اندھوں اور اپاہجوں کو اچھا کر دینا وغیرہ۔

(۲) عقلی۔ جو چشم بصیرت سے نظر آوے۔ جیسے اعجاز قرآن۔

بنی اسرائیل میں چونکہ نازک خیالی اور باریک اور لطیف معانی کا ذوق نہ تھا۔
اسلئے انبیاء بنی اسرائیل کو جو معجزے دیئے گئے وہ زیادہ تر حسّی تھے۔لیکن وہ قوم
جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے فصاحت اور بلاغت کی دل دادہ
اور فطین و ذکی تھی۔ اس لئے آنحضرتؐ کو سب سے بڑا معجزہ جو عطا ہوا۔یعنی قرآن وہ
عقلی ہے۔ بخاری میں روایت ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر ایک نبی کو وہی معجزے دیئے گئے جو اس کی
قوم اور اُمت کے مناسب حال تھے۔ اور مجھ پر جو وحی اللہ کی طرف
سے نازل ہوتی ہے وہی معجزہ ہے۔

انبیاء سابقین کے معجزے چونکہ حسّی تھے اس لئے وہ ان کے ساتھ ہی ختم ہو گئے
لیکن قرآن کا اعجاز جب تک کہ وہ موجود ہے یعنی قیامت تک مستمر رہیگا۔

دلائل اعجاز

قرآن کے معجزہ ہونے کی دلیلیں بہت سی ہیں۔لیکن اس موقعہ پر ہم صرف سات کھلی
ہوئی دلیلیں جن سے ایک غیر متعصب اور حق جو شخص کی تسلّی ہو سکتی ہے۔ لکھتے ہیں۔

(۱) تحدّی

قرآن کے معجزہ ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اس نے خود صاف صاف لفظوں میں
اُن کفار سے جو اُسی ملک کے رہنے والے اور اُسی زبان کے بولنے والے تھے
جس میں قرآن نازل ہوا۔ اور جن کو اپنی فصاحت اور بلاغت پر بڑا ناز تھا اور آجتک
بھی دنیا ان کی زبان آوری کو تسلیم کرتی ہے بار بار تقاضا کیا کہ قرآن کے مثل وہ کوئی
سورہ بنا لائیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۲ ۲۱-۲۲	ہم نے جو کلام اپنے بندے محمدؐ پر اُتارا ہے اگر اس میں تم کو کچھ شبہ ہی تو تم اس جیسی کوئی سورہ بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جسکو چاہو اپنی مدد کے لئے بلا لو اگر سچے ہو۔ اور جو ایسا نہ کرسکو۔ اور ہرگز نہ کرسکوگے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

یہاں تک کہدیا کہ ایک سورہ نہیں اگر تم سچے ہو تو ایک بات ہی قرآن کے انداز کی کہکر لاؤ۔

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۳۴	اگر وہ سچے ہیں تو اسکے مثل ایک بات ہی بنا لائیں۔

دوسری آیت میں صاف صاف اعلان کر دیا

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۱۷/۹	کہدے کہ اگر سارے آدمی اور جن مجتمع ہوکر بھی اس قرآن جیسا بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ گو وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں۔

آخر اہل عرب باوجود اپنی کمال طلاقت لسانی اور اسلام اور قرآن کی دشمنی کے بھی ایسا کرنے سے عاجز رہے۔ اور قرآن کا دعویٰ سچا تھا سچ ہوکے رہا۔ چنانچہ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ ان مخاطبین میں سے کسی کی ہمت تک نہ پڑی کہ اس کے مقابلہ کی کوشش بھی کرتا۔ جاحظ جو علوم ادبیہ کا امام ہے لکھتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم میں مبعوث ہوئے جو نہایت زبردست شاعر۔ فصاحت و بلاغت کی شیدائی اور اپنی طلاقت پر نازاں تھی ۔ آنحضرتؐ نے ان کو توحید کی طرف بلایا۔ رات دن اور شام صبح انکو قرآن سناتے اور اتمام حجت کرتے رہتے تھے۔ اس پر بھی جب انہوں نے

نہ مانا تو کہا گیا کہ اگر تم کو اسکے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے تو کوئی سورہ یا کوئی آیت ہی اس قسم کی بنا لاؤ۔ مگر وہ عاجز رہے۔

وہ دشمنی سے قرآن کو کہتے تھے کہ اگلوں کا افسانہ ہے۔ کبھی جادو کہتے تھے کبھی شعر قرار دیتے تھے۔ لڑائیوں میں ان کی بیٹیاں اور بیویاں گرفتار ہوتی تھیں۔ وہ خود مارے اور پکڑے جاتے تھے۔ یہ سب ذلّتیں گوارا کرتے تھے لیکن قرآن کے معارضہ میں کوئی کلام پیش کر کے اس کے دعوے کو جھوٹا نہیں کر سکتے تھے۔ حالانکہ اس وقت انمیں بڑے بڑے شعراء اور خطباء موجود تھے جن کی فصاحت و بلاغت مشہور اور مسلّم تھی۔

اس سے اس امر میں مطلق شبہ نہیں رہتا کہ قرآن معجزہ ہے اور انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔

(۲) اِخبار بالغیب

قرآن اسلئے بھی معجزہ ہے کہ اس میں غیب کی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کا علم انسانی قدرت سے باہر ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ کہتا ہے۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ الآیہ	یہ غیب کی خبر ہے جسکو بذریعہ وحی کے ہم تیرے پاس بھیجتے ہیں۔ اے محمد نہ اس سے پہلے تو اسکو جانتا تھا نہ تیری قوم جانتی تھی۔

اس آیت کا اعلان کیا گیا۔ کیا قوم میں سے کوئی انکار کے لئے کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میں اس کو جانتا تھا!

اسی طرح حضرت یوسف اور حضرت مریم کے حالات بیان کرنے کے بعد

اللہ تعالے نے فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جن سے تم واقف نہ تھے۔ ہم بذریعہ وحی کے ان کو بتلاتے ہیں۔ اور تمام ملک کے سامنے یہ آیتیں سنائی گئیں کسی نے ان پر کچھ چون و چرا کی؟

پھر یہ قصے ایسی صلیت اور واقعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں کہ پہلی آسمانی کتابوں سے مطابق اور ان سے بدرجہا عمدگی ساتھ ادا ہوئے ہیں۔ بلکہ گزشتہ کتب میں جو تحریفات واقع ہو گئی تھیں ان کی اصلاح بھی کر دی گئی۔

مدینہ میں منافقین کی ایک جماعت تھی جو درپردہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمن تھی۔ وہ جو مخفی منصوبے اسلام کے خلاف باندھتی تھی یا چھپ چھپ کر مشورے اور سازوباز کرتی تھی قرآن کی آیتیں ان کو طشت از بام کر دیتی تھی۔ اور منافقین کا پردہ فاش ہو جاتا تھا اور وہ آیتیں ایسی سچی ثابت ہوتی تھیں کہ وہ انکار کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

اس کے علاوہ قرآن نے پیغمبر اور مسلمانوں سے آئندہ زمانہ کے لئے سیکڑوں وعدے کئے اور وہ سب کے سب پورے ہوئے۔ مثلاً

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۲۸/۲۷	تم لوگ انشاء اللہ چین سے مسجد حرم میں داخل ہوگے۔

جس وقت یہ وعدہ ہوا تھا کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان قریش پر غلبہ پا جائینگے اور مکہ میں داخل ہونگے لیکن بہت جلد یہ وعدہ پورا ہو گیا۔ اور مکہ میں امن کے ساتھ مسلمان داخل ہوئے۔ کوئی خونریزی بھی نہ ہوئی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا	تم میں سے جو مومن نکوکار ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ضرور انہیں دنیا میں خلافت دیگا۔

اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط ۲۴/۵۴	جیسے ان لوگوں کو خلافت دی جو اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جس دین کو انکے لئے پسند کیا ہے اسی قوی کریگا اور انپر جو خوف چھایا ہوا ہے اسکو امن سے بدل دیگا

ایک مٹھی بھر مسلمانوں کی جماعت اور اُن سے اتنا بڑا وعدہ۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ تاریخ اُٹھا کر پڑھو۔ خود آنحضرتؐ کی زندگی ہی میں سارا عرب اسلامی حکومت میں آگیا۔ اور اُس کے بعد خلفاء راشدین کے عہد میں شام۔ مصر۔ افریقہ۔ ایران اور خراسان وغیرہ سب اسلامی علم کے نیچے آگئے۔ اور دین حق کی سطوت تمام عالم میں قائم ہو گئی۔ اور خوف کے بجائے امن نصیب ہوا۔

خود قرآن کے متعلق ارشاد ہوا کہ ہمیں نے اسکو اُتارا ہے اور ہمیں اسکے نگہبان ہیں اسمیں کوئی تغیر و تبدّل نہیں کر سکتا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ج ۶/۱۱۵	اور صدق اور عدل کی رو سے تیرے رب کے کلمات پورے ہیں کوئی اُن کا بدلنے والا نہیں ہے۔

باوجود ملاحدہ اور قرامطہ کی کثرت۔ سطوت اور کوشش کے اُس میں ایک حرف کی بھی تبدیلی نہ ہو سکی۔

آنحضرتؐ سے وعدہ فرمایا

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۱۵/۹۵	ہم تیری طرف سے ٹھٹھے بازوں کے لئے کافی ہیں۔

مکّہ میں ایک جماعت تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتی تھی اور آپ کے اوپر بیہودہ آوازے کستی تھی۔ جس سے آپ کو رنج ہوتا تھا جس وقت یہ آیت نازل ہوئی آپ نے اپنے صحاب کو خوش خبری سنائی کہ اب اللہ نے ان شریروں کی اذیت سے مجھے

بچا دیا۔ چنانچہ وہ سب کے سب مختلف قسم کی بلاؤں اور تکلیفوں سے ہلاک ہوگئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی فرما دیا

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ	اور اللہ تجھکو آدمیوں سے محفوظ رکھیگا

باوجود اسکے کہ بہت سے جانی دشمن آپ کے ہلاک کرنے کے ارادہ سے کئی بار آئے لیکن کچھ نہ کرسکے بعض نے موقعہ بھی پایا۔ تلوار بھی کھینچ لی لیکن ہاتھ نہ چل سکا۔

ان وعدوں کے علاوہ بہت سی پیشین گوئیاں بھی قرآن میں کی گئیں جو پوری ہوئیں مثلاً

سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ	ان لوگوں سے کہو کہ عنقریب تم ایک جنگ آور قوم سے لڑنیکے لئے بلائے جاؤگے اور اُنسے لڑوگے یہانتک کہ وہ اسلام لائیں

حُدَیبیہ کے سفر میں جو مسلمان بدّو شریک نہیں ہوئے تھے۔ اور اپنے پیچھے رہ جانے کی معذرت میں بہانے تراشتے تھے ان کو مخاطب کرکے کہا گیا کہ تم لوگ ایک سخت جنگ آور قوم سے لڑنے کے لئے عنقریب بلائے جاؤگے۔ اور اُن سے یہانتک تم کو لڑنا ہوگا کہ وہ مسلمان ہوجائیں۔ اس وقت تمہارا امتحان ہوجائیگا۔ اگر لڑے تو اجر ملیگا۔ اور اگر اسی طرح پیچھے رہ گئے تو اللہ کا بڑا عذاب تم پر نازل ہوگا۔

یہ لڑائی فتنہ ارتداد میں آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی پیش آئی۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے ان اعراب کو اس کے لئے بلایا۔ چنانچہ وہ لڑے اور مسیلمہ کذاب کی قوم مسلمان ہوئی۔

دوسری پیشین گوئی ہے۔

غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝ فِي بِضْعِ سِنِينَ ؕ	رومی قریب ترین سرزمین میں مغلوب ہوگئے لیکن اپنے مغلوب ہونے کے چند سال بعد وہ غالب آجائینگے۔

ایرانی مجوسی اور مشرک تھے اور رومی اہل کتاب۔ ان دونوں سلطنتوں میں باہم دائمی نزاع چلی آتی تھی۔ اور انکے جولانگاہ عراق اور شام کے میدان تھے۔ کبھی رومی غالب آجاتے تھے اور ایرانیوں کو دجلہ اور فرات کے کناروں تک دھکیل دیتے تھے۔ اور کبھی ایرانی چیرہ دست ہوکر ان کو بحر روم کے سواحل تک بھگا دیتے تھے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ایرانیوں نے رومیوں پر بہت بڑی فتح پائی۔ بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور ۶۱۶ء میں مصر پر چڑھائی کی اور اسکندریہ لے لیا۔ یہ خبریں جب مکہ میں پہونچیں تو کفار نے بوجہ اسکے کہ ایک مشرک قوم کو اہل کتاب پر غلبہ حاصل ہوا تھا مسلمانوں کے مقابلہ میں شادیانے بجانے شروع کئے۔ اسکے بارے میں قرآن میں مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابوبکر نے اس آیت کا جس وقت اعلان کیا تو قریش کے ایک سردار اُبَیّ بن خلف نے کہا کہ یہ ناممکن ہے کہ اب رومی فتح یاب ہوں۔ میں اس پر دس دس اونٹ کی شرط لگاتا ہوں۔ حضرت ابوبکر کو چونکہ یقین کامل تھا کہ وحی الٰہی کبھی غلط ہو نہیں سکتی اسلئے اُنھوں نے اس کی شرط کو منظور کر لیا۔ اور تین سال کی مدّت مقرر کی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر اسکو بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ آیت میں بضع (چند) کا لفظ ہے جو تین سے نو تک بولا جاتا ہے لہذا مدّت کو بڑھا دو۔ حضرت ابوبکر نے ابن خلف سے نو سال کی مدّت مقرر کی۔ اس نے قبول کر لیا اور اونٹوں کی تعداد بھی سو تک بڑھا دی۔

ادھر شکست کھانے کے ساتویں سال ۶۲۳ء میں قیصر روم ہرقل خواب غفلت سے بیدار ہوا۔ اور سامان جنگ تیار کرکے ایرانیوں پر حملہ کیا۔ اور وہ سارا علاقہ اُن سے چھین لیا۔ جو اُنھوں نے لیا تھا۔ اس فتح کی خبر مارچ ۶۲۴ء میں مسلمانوں کو اسوقت

ملی جب وہ بدر کی فتح حاصل کر کے واپس ہو رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ابن خلف کے وارثوں سے شرط کے اونٹ لئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو خیرات کر دو۔

یہ سوچنے کا مقام ہے کہ کیا اس قسم کی قطعی پیشین گوئی کسی انسان کے بس کی بات ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے دشمن سے دشمن بھی عقل و فہم میں ممتاز مانتے ہیں۔ کیا آپ اُن دشمنوں کے سامنے جو ہر وقت آپ کی لغزش کی تاک میں لگے ہوئے تھے اس قسم کی غیر ضروری اور غیر متعلق پیشین گوئی اپنی رائے سے کر سکتے تھے جو خلاف نکلتی تو اُن کو تکذیب کی سند اور انکار کی دلیل ہاتھ آجاتی۔

یہود کے متعلق قرآن نے کہدیا تھا

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَمَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۳/۱۰۸	بجز اللہ کی حمایت یا آدمیوں کی پناہ کے وہ جہاں ہونگے ان پر ذلت چھائی ہوئی رہیگی۔ وہ اللہ کے غضب میں ہیں۔ اور مسکینی ان پر مسلط کر دی گئی ہے۔

اس زمانہ سے آجتک کہیں چپہ بھر زمین کی حکومت یا قومی عزت اُن کو نصیب ہوئی؟

یہود اپنے آپ کو اللہ کا پیارا اور اس کی اولاد سمجھتے تھے اور جنت کو صرف اپنا حصہ جانتے تھے۔ اُن سے کہا گیا۔

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا ۲/۸۸	کہدے کہ جو اللہ کے نزدیک دار آخرت صرف تمہارے ہی لئے ہے دوسروں کے لئے نہیں ہے تو تم اپنی موت کی خواہش کرو اگر سچے ہو۔ لیکن وہ ہرگز موت کی خواہش نہیں کرینگے۔

اس آیت کا اعلان کرکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی علانیہ فرما دیا تھا کہ موت کی آرزو
اُن میں سے کسی کی زبان پر آئی نہیں کہ اس کی جان نکلی نہیں۔ اب یہود کے لئے بہت
آسان تھا کہ وہ زبان سے اپنے مرنے کی آرزو کرکے رسول اور قرآن دونوں کو جن کی
تکذیب کے درپے تھے جھٹلا دیتے۔ لیکن نہیں کر سکے۔ اور قرآن سچ ہو کے رہا۔

(۳) فصاحت و بلاغت

معانی و بیان کا امام سکاکی مفتاح العلوم میں لکھتا ہے

قرآن کا اعجاز ایک ذوقی اور وجدانی کیفیت ہے جو طبیعت کو محسوس ہوتی
ہے لیکن زبان سے بیان نہیں ہو سکتی جس طرح ذائقہ کو زبان دریافت
کر لیتی ہے یا اچھی آواز کا لطف کانوں کو محسوس ہوتا ہی لیکن انکا اظہار کرنا
ناممکن ہے۔

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں۔

بعض بعض شعراء ایک قصیدہ لکھتے ہیں اور سال سال دو دو سال تک
اس میں اصلاح اور ترمیم کرتے رہتے ہیں پھر بھی اسکی ایک لفظ کی جگہہ آسانی سے
دوسرا لفظ رکھا جا سکتا ہے۔ مگر قرآن کی عبارت ایسی ہے کہ جو لفظ جہاں
ہے اگر وہاں سے اُس کو اُٹھا لو تو ساری عربی زبان میں بھی تلاش کرکے
کوئی ایسا لفظ نہیں لا سکتے جو اُس جگہہ پر ویسا ہی موزوں ہو جیسا کہ وہ لفظ تھا

یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت عرب میں پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی اور ہمیشہ وہیں رہے
اسلئے آپ کے کلام کا انداز وہی تھا جو بالعموم شرفاء عرب کا تھا جیسا کہ حدیثوں سے
ظاہر ہے۔ کیونکہ ان میں بشیتر الفاظ وہی ہیں جو آپ کی زبان سے نکلے تھے۔

لیکن قرآن کا اسلوب عجیب و غریب ہے جو اس ملک کے طرز بیان سے بالکل جدا اور انوکھا ہے۔ اس کی ترکیب کی نزاکت۔ کلمات کی لطافت اور فصاحت و بلاغت فطرتِ عرب سے کہیں بالاتر ہے۔ چنانچہ قریش نے جب اس کو سُنا تو حیرت میں پڑ گئے کسی نے اسکو کاہنوں کا قول کہا کسی نے جادو بتایا کسی نے شعر کا لقب دیا۔

ولید بن مغیرہ سردار قریش نے جب اس کی آیتیں سُنیں تو بے ساختہ کہہ اُٹھا کہ اس کلام میں عجیب حلاوت اور لطافت ہے۔ یہ انسان کا قول نہیں ہے۔ اس کے بھتیجے ابوجہل نے قرآن کی طرف اسکے رجحان کو دیکھکر کہا کہ یہ تو شاعری ہے ولید نے کہا کہ کیا ہم نے شعر سُنے نہیں ہیں۔ کجا یہ کلام اور کجا شعر۔

عتبہ جو قریش کا رئیس اعظم تھا جب اپنی قوم کی طرف سے آنحضرتؐ سے گفتگو کرنے کے لئے آیا تو سرور انبیاءؐ نے اس کو سورہ حم سجدہ سُنائی۔ وہ حیرت زدہ ہو کر کمر پر ہاتھ رکھے ہوئے کھڑا سنتا رہا۔ اسکے بعد اپنے گھر میں چلا گیا۔ جب لوگ اسکے پاس گئے تو اس نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے ایسا عجیب و غریب کلام سُنایا کہ جس کو میرے کانوں نے کبھی نہیں سُنا تھا۔ میں حیران رہ گیا اور اُن کو کچھ جواب نہ دے سکا۔

اسی کے ساتھ یہ امر بھی غور کے قابل ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی زبان آور ہو ایک بات کو کئی بار اور کئی طرح سے خوش اسلوبی کے ساتھ نہیں بیان کر سکتا۔ لیکن قرآن میں بہت سے قصص انبیاءؑ کے ایسے ہیں جن کو کئی کئی نوعیتوں سے اللہ تعالےٰ نے بیان کیا ہے اور ہر ہر نوعیت کی شانِ بلاغت بے مثل ہے۔

اس کے علاوہ فصاحت و بلاغت کے اظہار کے لئے ادبی مضامین ہوا کرتے ہیں۔ کوئی شاعر یا ادیب دینی اور مذہبی تعلیم میں اپنا ہنر دکھانے سے قاصر ہے۔ یہ بھی قرآن کی

خاص خصوصیت ہے کہ تمامتر دینی تعلیم اور فصاحت و بلاغت میں لاجواب۔

(۴) جاذبیہ اثر

قرآن کا یہ امتیاز تمام آسمانی کتابوں سے نمایاں ہے کہ اس کا ایک ایسا لطیف اور پاک اثر روح پر پڑتا ہے کہ دل رقت سے پانی پانی ہوجاتا ہے۔

تاریخ شہادت دیتی ہے کہ بہت سے اہلِ عرب اور ان کے رؤسا، جو اسلام کے سخت دشمن تھے قرآن کو سُنکر ایسے متاثر ہوئے کہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی اسی قسم کا ہے۔ وہ پہلے اسلام کے سخت دشمن تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن تلوار لیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے گھر سے چلے۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ اُن کی بہن مسلمان ہو گئی ہیں۔ اس لئے پہلے اُنھیں کے گھر میں چلے گئے۔ وہاں قرآن کے چند ورقے ان کو ملے۔ ان کو پڑھنے کے ساتھ ہی دل پر ایسا اثر ہوا کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں جاکر اسلام لائے۔

حضرت جبیر بن مطعم نے جو رؤسا قریش میں سے تھے اپنے اسلام لانے کا حال بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۂ والطور پڑھ رہے تھے۔ میں ادھر سے گذرا۔ اور سننے لگا۔ جب آپ اس آیت پر پہونچے

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ | کیا وہ بدون کسی خالق کے پیدا ہو گئے ہیں یا خود ہی خالق ہیں

تو میرا دل ہل گیا۔ اور مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ آخر میں جاکر مسلمان ہو گیا۔

نجاشی نے اپنے یہاں کے علماء کی ایک جماعت آنحضرت کی خدمت میں بھیجی تھی جب ان لوگوں نے قرآن کی آیتیں سنیں تو اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اسکا ذکر خود قرآن میں ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ ۵/۸۶	جب وہ کلام سنتے ہیں جو رسول پر اُترا ہے۔ تو دیکھتا ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ حق کو پہچان گئے۔

علما اہلِ کتاب جو اسلام لاتے تھے ان کو قرآن کے ساتھ اور بھی عشق ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی مدح میں فرمایا۔

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۳/۱۰۹	اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو راتوں کو کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔

یہ قرآن ہی کا اثر تھا کہ عرب جیسی جاہل اور وحشی قوم کو اعلیٰ انسانی صفات کے لحاظ سے اُسنے ایسے بلند مرتبہ پر پہونچایا کہ دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہ قرآن ہی کا اثر تھا کہ اُس نے ان میں ایسی بزرگی اور اخلاقی عظمت پیدا کر دی کہ فارس اور روم کی زبردست سلطنتیں جنکی سطوت اور شوکت سے دنیا لرزتی تھی اُنکی ایک ٹکر میں پاش پاش ہو گئیں۔

یہ قرآن ہی کا اثر تھا کہ اسلام جس میں تصریح کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۲/۲۵۷	دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی روا نہیں ہے۔

بہت قلیل عرصہ میں دنیا کی قوموں میں پھیل گیا۔ اور تمام مذاہب وملل پر غالب آ گیا۔

(۵) عدمِ اختلافِ معنوی

باوجود اسکے کہ قرآن ہر قسم کے علوم دینیہ اور اصول روحانیہ کا مجموعہ اور مخزن ہے لیکن کہیں اس کی تعلیمات میں تناقض اور اختلاف نہیں پایا جاتا۔ امام غزالی لکھتے ہیں۔

انسان کا کلام اختلاف سے خالی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے احوال اور

اغراض بدلا کرتے ہیں۔ کبھی اس کا میلان کسی شئے کی طرف ہوتا ہے اور کبھی کسی شئے کی طرف۔ لہذا اس کے خیالات میں بھی اختلافات ہوجاتے ہیں۔ پھر سوچو کہ ایسی حالت میں جبکہ ایک انسان تیئیس سال تک جو نزول قرآن کی مدت ہے ایک ہی غرض کے مطابق کلام کرے اور اسکے بیان کا ایک ہی انداز اور ایک ہی اسلوب ہو۔ اور باوجود اسکے کہ کثرت سے اس پر مختلف احوال اور اغراض طاری ہوتے ہیں پھر بھی اسکے کلام میں اختلاف نہ واقع ہو تو یہ یقیناً اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خود اس کا یا کسی غیر آدمی کا کلام نہیں ہے بلکہ وحی آسمانی ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ۝ پ ۵	کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور کیطرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔

(۶) سہولت حفظ

یہ خصوصیت بھی قرآن ہی کو حاصل ہے کہ باوجود اسکے کہ وہ ایمان اور تزکیہ قلب کے حقائق ومعارف۔ اور عبادات واخلاق وآداب معاشرت کے اصول۔ اور تمدن اور جہانبانی کے قواعد وضوابط۔ نیز ہر قسم کی انفرادی اور اجتماعی تعلیمات اور شخصی اور قومی عروج و زوال کے اسباب پر حاوی اور محیط ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے نصیحت لینا۔ اس کا سمجھنا۔ اور یاد رکھنا نہایت آسان کردیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ	ہم نے سمجھنے کے لئے قرآن کو آسان کردیا ہے۔ کیا

مُّدَّكِرٍ ۝ ۱۷؎ | کوئی سمجھنے والا ہے؟

چنانچہ عرب جیسی اَن پڑھ قوم نے اسکو آسانی سے سمجھ لیا اور اسپر عمل کرکے مقبول ہو گئے اور آج بھی اگر عامی سے عامی اور جاہل سے جاہل کو اس کے مضامین سمجھائے جاتے ہیں تو وہ بے تکلف سمجھ لیتا ہے۔

یاد رکھنے کی تو یہ کیفیت ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی اسکو ازبر کر لیتے ہیں۔

(۷) احتواءِ علوم

قرآن میں علوم الٰہیہ۔ اصولِ دین اور حکمت و دانائی کی باتیں اس قدر ہیں کہ کسی آسمانی کتاب میں ان کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہیں۔ حالانکہ اس کا حجم کم اور نسبتاً مختصر ہے۔

کوئی ایسی تعلیم جو انسان کی روحانیت کے لئے مفید ہو اور دنیا کی کسی کتاب سے نکالی جاسکتی ہو یہ ناممکن ہے کہ وہ قرآن میں نہ ہو۔ مشہور مورخ گبن لکھتا ہے۔

قرآن کو مسلمانوں کا ایک عام مذہبی۔ تمدنی۔ ملکی۔ تجارتی۔ قومی۔ دیوانی اور فوجداری وغیرہ کا ضابطہ کہہ سکتے ہیں۔ وہ ہر ایک امر پر حاوی ہے مذہبی عبادات سے لیکر رات دن کے کاروبار روحانی نجات سے لے کر صحت جسمانی۔ جماعت کے حقوق سے لیکر حقوق افراد۔ اخلاق سے لیکر جرائم اور دنیاوی سزا سے لے کر دینی سزا و جزا وغیرہ تک کے تمام احکام قرآن میں موجود ہیں۔ اسی سبب سے قرآن اور بائبل دو مختلف چیزیں ہیں۔ کیونکہ کومب کہتا ہے کہ بائبل میں دینیات کا کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں قصص ہیں جن سے عبادت اور پرہیزگاری کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔ نہ قرآن انا جیل سے ملتا ہے کہ اسکو ہم صرف مذہبی رایوں اور افعال

کی اصلاح ہی کا معیار قرار دیں۔ بلکہ بخلاف اسکے قرآن میں سیاسی اصول
بھی موجود ہیں۔ انہیں اصول پر حکومت کی بنیاد پڑی۔ انہیں سے ملکی قوانین
اخذ کئے جاتے ہیں۔ اور روزمرہ کے مقدمات جانی و مالی کے فیصلے ہوتے ہیں

جب سے قرآن نازل ہوا ہے اسلام کے بڑے بڑے حکماء، علماء اور اُدباء اسی کے عمیق بحر معانی میں غوطے کھاتے ہیں۔ ان لوگوں نے ہزارہا تفسیریں لکھیں اور اسکے سینکڑوں عنوان مثلاً احکام القرآن۔ اعجاز القرآن۔ حج القرآن اور قصص القرآن وغیرہ الگ الگ قائم کرکے ان پر جداگانہ تصانیف کے انبار لگا دیئے۔ پھر بھی نئی نئی تصنیفوں کی ضرورت دن بدن نکلتی چلی آتی ہے۔ اور قرآن کی علمی شعاع روزانہ نئی آب و تاب سے پرتوفگن ہوتی ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ ۳۱/۲۶	اگر روئے زمین کے سارے درخت قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی ہو جائے۔ پھر اسکے بعد سات سمندر اور اسکی مدد کو آئیں جب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہونگی۔

ان سب کے ساتھ اس کو بھی ملاؤ کہ یہ کتاب اس شخص نے پیش کی جو ناخواندہ تھا۔ نہ اُسکے ملک میں کوئی مدرسہ تھا۔ نہ اُس کی زبان میں کوئی کتاب تھی۔ نہ اُس کی قوم میں کوئی تعلیم یافتہ تھا۔ کیا اب بھی تم کو شک ہے کہ یہ معجزہ اور کلام الٰہی نہیں ہے؟

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ ۲۱/۱۵	یہ قرآن متبرک کتاب ہے ہم نے اس کو اُتارا ہے کیا تم اِس کا انکار کرتے ہو؟

حروفِ مقطّعات

قرآن کی بعض بعض سورتوںکے شروع میں جو حروف مفرد آتے ہیں جیسے الم - حم - طس وغیرہ یہ مقطّعات کہے جاتے ہیں - یہ ایسے مرموز حروف ہیں جن کے معانی اُمت کو نہیں بتائے گئے۔

بعض ناواقف یہ کہتے ہیں کہ یہ مبہم حروف قرآن کی فصاحت و بلاغت میں خلل انداز ہیں لیکن یہ سوچنے کی بات ہے کہ کفّارِ عرب جو قرآن کے ایک ایک لفظ کو نہایت گہری نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ اگر ان حروف سے اس کی فصاحت و بلاغت میں نقص واقع ہوتا تو سب سے پہلے وہ اعتراض کرتے۔ مگر انہوں نے سُنا اور کبھی ان پر اعتراض نہیں کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عربی اندازِ گفتگو کے لحاظ سے یہ حروف اُنکے نزدیک غیر اجنبی اور اعجازِ قرآن میں غیر مخل تھے۔

مسلمانوں میں سے بہت سے لوگوں نے ان حروف کے معانی بیان کرنے میں اپنی اپنی جودت اور ذہانت دکھانے کی کوشش کی ہے۔

کوئی اس کی توجیہ یہ بیان کرتا ہے کہ اہلِ عرب کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنے قصیدونکے نام انکے ابتدا کے حروف یا الفاظ سے رکھ لیتے تھے۔ اسی طرح ان حروفِ مقطعات کے ساتھ سورتونکے نام رکھے گئے ہیں۔

کسی نے لکھا ہے کہ ان سے اللہ تعالےٰ کے اسماءِ حُسنٰے کی طرف اشارہ ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ یہ مخاطبین کو متوجہ کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

بعضوں نے یہ تاویل کی ہے کہ یہ قرأت کے شروع میں لہجہ کو دُرست کرنے کے لئے رکھے

گئے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی لکھتے ہیں۔

حروف مقطعات ان فرشتوں کے نام ہیں جو شعبہا ئے ایمان پر مؤکل ہیں۔ حدیث میں آیا ہے۔

الایمان بضع وسبعون شعبة | ایمان کے چند اور ستر شعبے ہیں۔

چند کا اطلاق تین سے ۹ تک ہوتا ہے۔ لہذا شعبہائے ایمانی زیادہ سے زیادہ ۹، ہونگے، حروف مقطعات جس قدر قرآن میں واقع ہوئے ہیں ان سب کو جو ہم شمار کرتے ہیں تو ان کی تعداد بھی ۹، ہوتی ہے جن جن سورتوں میں یہ حروف واقع ہوئے ہیں ان میں انہیں ایمانی شعبوں کا بیان کرنا اصل مقصود ہے جن کے مؤکلوں کے نام ان کے شروع میں دیے گئے ہیں کہ جب پڑھنے والا ان سورتوں کی تلاوت شروع کرے تو وہ فرشتے اپنا نام سنتے ہی تیار ہو جائیں اور ان ایمانی شعبوں کے دروازے کھول دیں تاکہ عالم قدس سے تلاوت کرنے والے کے قلب پر ان سے ایمان کا فیضان ہو۔

الغرض مختلف لوگوں نے اپنی اپنی فہم کے مطابق ان حروف کی مختلف توجیہات لکھی ہیں۔ لیکن جن رموز کو کسی خاص مصلحت کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے مخفی رکھا۔ اور اس کے رسول نے بیان نہیں کیا ان کی گرہ کشائی کون کر سکتا ہے !!

بحثِ نسخ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دین الٰہی شروع سے اسلام ہی ہے۔ اسی دین کو بتدریج انبیاء علیہم السلام کے توسط سے اللہ تعالےٰ بڑھاتا اور ترقی دیتا چلا آیا۔ یہاں تک کہ نبی آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل فرما دی۔ اس درمیان میں عملی احکام میں تبدیلیاں بھی کرتا رہا۔ یعنی ایک نبی کو اس کی قوم کی حالت کے مطابق کوئی خاص حکم دیا۔ دوسرے نبی کے عہد میں وہ حالت بدل گئی اسلئے اس حکم کو بدل کر اسکے بجائے دوسرا حکم دیدیا۔ اسیکو نسخ کہتے ہیں۔

معنی نسخ

نسخ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے کوئی حکم دیا جس کا انجام (نعوذ باللہ) اس کو معلوم نہ تھا۔ پھر اسکو کوئی دوسری بات پسند آگئی اس نے حکم اوّل کو منسوخ کرکے دوسرا حکم دیدیا۔ بلکہ اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ جس وقت تک اس نے مناسب سمجھا اس حکم کو رکھا۔ اور جب دوسری حالت پیدا ہوگئی جس میں اس پر عمل کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی تو اس نے اس حکم کو بدل دیا۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۱۰۶	جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اسکی بجائے ویسی ہی یا اس سے بہتر آیت اتارتے ہیں۔

الغرض جس طرح طبیب مریض کے نسخہ میں حسب حالت ترمیم اور تبدیل کرتا رہتا ہے اسی طرح حکیم حقیقی بھی مصلحت اور اقتضائے وقت کے لحاظ سے اپنے احکامات کو بدلتا ہے۔

قرآن میں نسخ نہیں ہے

لیکن قرآن میں جو آخری اور مکمل کتاب ہے اور جسکے بعد کوئی نبی اس کی تکمیل کے لئے نہیں آئیگا محققین علما ر اسلام وقوع نسخ سے انکاری ہیں۔ مگر بیشتر مفسرین اور فقہا ر قائل ہیں اور اُنہوں نے اس کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

(۱) وہ آیات جن کا حکم بھی منسوخ ہو گیا اور وہ پڑھی لکھی بھی نہیں جاتیں۔

(۲) وہ آیات جن کا حکم منسوخ نہیں ہوا لیکن تلاوت منسوخ ہو گئی۔

(۳) وہ آیات جن کا حکم منسوخ ہو گیا ہے لیکن تلاوت نہیں منسوخ ہوئی۔

نسخ کی پہلی قسم کا خیال چند ضعیف بلکہ موضوع روایات سے پیدا ہو گیا ہے۔ اس قسم کی جتنی روایتیں ہیں ان سب کو قاضی ابو بکر نے موضوعات کی فہرست میں داخل کیا ہے۔

صحیحین میں جو ایک روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضؓ نے اصحاب بئر معونہ کا قصّہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب وہ لوگ مارے گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قاتلوں پر قنوت پڑھا کرتے تھے اور اُنکے متعلق یہ قرآن بھی تھا۔

اَنْ بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اِنَّا لَقِیْنَا رَبَّنَا فَرَضِیَ عَنَّا وَاَرْضَانَا	ہماری قوم کو ہماری طرف سے یہ خبر پہونچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہوا اور ہمکو خوش کر دیا۔

پھر یہ قرآن اٹھا لیا گیا۔

اس میں قرآن کے لفظ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ عربی میں قرآن ہر اُس شئے کو کہتے ہیں جو پڑھی جائے۔ اصحاب بئر معونہ آنحضرتؐ کے حکم سے گئے تھے۔ اور نہایت دردناک طریقہ سے کافروں نے ان کو قتل کر ڈالا تھا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ اُنکی زبان حال سے فرمایا تھا۔ نہ قرآن کی طرح اس کو لکھا یا نہ کسی کو یاد کرایا۔ پھر یہ قرآنی آیت

کیونکر ہوسکتی ہے۔ روایت میں محض قرآن کے لفظ کے آجانے سے اس کو آیت قرار دیکر منسوخ کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

منسوخ التلاوت

نسخ کی قسم دوم عقل کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اگر حقیقت میں ایسی کوئی آیت ہوتی تو ناممکن تھا کہ اس کی حفاظت نہ کی جاتی۔ یا وہ قرآن میں درج ہونے سے رہ جاتی۔ رجم کے متعلق حضرت عمرؓ سے جو روایت کی گئی ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ

> ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ لوگ کہیں گے کہ رجم کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ہے۔ حالانکہ اس میں رجم کا حکم دیا گیا ہے جبکہ مجرم خود معترف ہو یا حمل ہو یا گواہ گذر جائیں۔

اس میں کتاب اللہ کے لفظ سے دھوکھا ہوا ہے کہ لوگوں نے اسکے معنی قرآن کے سمجھ لئے حالانکہ قرآن میں کبھی رجم کا حکم نہیں نازل ہوا۔ اگر واقعی رجم کی آیت نازل ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ وہ قرآن میں درج ہونے سے رہ جاتی۔ کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب تبلیغ کے خلاف تھا کہ کوئی آیت اُترے اور آپ اُس کو نہ لوگوں کو یاد کرائیں اور نہ لکھائیں خود حضرت عمرؓ جن سے یہ روایت نقل کی گئی ہے جمع قرآن میں شریک تھے۔ کیا چیز مانع تھی جو اُنھوں نے اس کو درج نہ کرایا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں کتاب اللہ سے مراد قرآن ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ توریت ہے جس میں رجم کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ کتاب اللہ کا اطلاق ان کتابوں پر بھی ہوتا ہے جو اسلامی عقیدہ میں منزل من اللہ مانی گئی ہیں۔

منسوخ الحکم

باقی رہی نسخ کی تیسری قسم۔ اس میں لوگوں نے رائے اور قیاس کو اس قدر دخل دیا ہے کہ پچاسوں آیتوں پر نسخ کا حکم لگا دیا۔ علامہ ابن العربی نے اس تعداد کو کم کر کے ۲۱ آیتیں منسوخ قرار دی ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس میں اور زیادہ غور کیا تو انہوں نے فوز الکبیر میں صرف پانچ آیتوں کو منسوخ کہا وہ یہ ہیں۔

(۱) کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا ۨ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۲/۱۷۶	تم میں سے جب کسی کے مرنے کا وقت آئے اور وہ کچھ مال چھوڑے تو اس پر فرض ہے کہ والدین اور اقربا ر کے لئے وصیت کر جائے۔

اس آیت کو آیت میراث سے جس میں اللہ تعالےٰ نے والدین اور اقربا ر کے حصے معین فرما دیے ہیں منسوخ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ آیت میراث میں اللہ تعالےٰ نے خود مورث کی وصیت کا نفاذ مقدم رکھا ہے۔ اور صاف صاف فرما دیا ہے کہ توریث اسکی وصیت پوری کرنے کے بعد جاری ہو گی۔ اس لئے دونوں میں تناقض نہیں ہے جو نسخ کا سوال پیش ہو۔ علاوہ بریں سورۂ مائدہ میں جو آنحضرت کی آخر عمر میں نازل ہوئی ہے وصیت کے حکم کو بدستور رکھا ہے۔ اگر وصیت آیت وراثت سے منسوخ ہو گئی ہوتی تو پھر اس کی تاکید کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِیَّۃً لِّاَزْوَاجِھِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِھِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۲/۲۴۱	اور جو لوگ تم میں سے گذر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو چاہیے کہ وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انکی بیویوں کو سامان دیا جائے اور وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔ اگر وہ خود نکل جائیں اور اپنی بہتری کے لئے کچھ کریں تو تم پر کچھ الزام نہیں۔

اس آیت کو اُس آیت سے جس میں شوہروں کے مرنے پر بیویوں کی عدت چار مہینہ دس دن مقرر کی گئی ہے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ دونوں آیتوں میں بالکل تناقض نہیں ہے۔ اس آیت میں صاف ہے کہ ایک سال تک آسکے رہنے سہنے کی وصیت کردو۔ اور اگر وہ نہ چاہے تو عدت کے بعد نکل جائے اور دوسرا نکاح کرلے تمہارے اوپر کچھ الزام نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سال بھر کی وصیت صرف بیوہ کی آسائش کے لئے ہے عدت کی طرح فرض نہیں ہے۔

خود امام بخاری نے روایت کی ہے کہ عدت کے چار مہینے دس دن گذر جانے کے بعد بقیہ سات مہینے دس دن وصیت کے ہیں جن میں اگر وہ چاہے تو رہے نہ چاہے تو چلی جائے۔

(۳) اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ ۳/۹۷	اللہ سے ڈرو جو اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

اس کی ناسخ اس آیت کو کہتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۶۴/۱۶	جہاں تک ہوسکے اللہ سے ڈرو۔

بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ دونوں آیتیں ہم مضمون ہیں۔ بلکہ دوسری آیت نے پہلی آیت کی تشریح اور تفسیر کردی ہے کہ جو حق تقویٰ کا ہے وہ تو تم سے ہو نہیں سکتا۔ ہاں بقدر اپنی وسعت کے تقوے اختیار کرو۔ یہ کیونکر اس کی ناسخ ہوسکتی ہے۔

(۴) اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۸/۶۶	اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو دو سو پر غالب آسکتے ہیں۔

اس کو اس کے بعد کی اس آیت سے منسوخ قرار دیا ہے۔

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ	اب اللہ نے تخفیف کردی اس نے دیکھا کہ تم میں کمزوری

ضُعۡفًا ؕ فَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ ہے۔ اب اگر تم میں سے سو ثابت قدم ہوں گے تو
يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ؕ دو سو پر غالب آئینگے۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی جماعت کم تھی تو دو سو کافروں کے مقابلہ میں بیس مسلمانوں کا بھیجا جائز تھا اور ان سے اللہ کا وعدہ تھا کہ وہ غالب آجائینگے۔ اور جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو اس حکم کو منسوخ کرکے یہ کہا کہ اب دو سو کافروں کے مقابلہ میں سو مسلمان جایا کریں۔

ہم کہتے ہیں کہ دونوں آیتیں دو مختلف وقت اور حالت کے لیئے ہیں اسلیئے باہم تناقض نہیں ہے۔ جہاں جماعت مسلمانوں کی کم ہوگی وہاں اب بھی یہ حکم بدستور باقی ہے۔

(۵) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَاجَيۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقَةً ؕ ذٰ لِكَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ وَاَطۡهَرُ ؕ فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝	مسلمانو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنی چاہو تو پہلے صدقہ دو۔ یہ تمہارے لیئے بہتر ہے۔ اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ اگر نہ پاؤ تو اللہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

اس کے بعد اس حکم کو اللہ تعالے نے منسوخ کر دیا۔

اس کی اصلیت یہ ہے کہ لوگ کثرت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے لیئے آتے تھے۔ اور بعض لوگ بلا ضرورت محض تفاخر اور اظہار تقرب کی غرض سے ایسا کرتے تھے۔ اس لیئے ان کے تزکیہ قلب کے لیئے یہ حکم دیا کہ سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کریں یہ ایک موقت اور مستحب حکم تھا نہ کہ دائمی اور حتمی۔ اس کے نسخ کے کیا معنے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان آیات کے متعلق جن کو لوگوں نے منسوخ الحکم قرار دیا ہے جس طرح ہمکو یہ یقین ہے کہ یہ قرآن کی احکامی آیتیں ہیں۔ اللہ تعالے نے ان کو نازل فرمایا۔ اور رسول

کے ذریعہ سے ہمکو ملیں تاوقتیکہ اسی طرح کا یقینی علم اس بات کا بھی نہ حاصل ہو جائے کہ یہ آیتیں منسوخ ہوگئیں ہم کیونکر اس کے نسخ کے قائل ہو سکتے ہیں۔

اور خود ان میں باہمی تعارض بھی نہیں ہے کہ جس سے مجبوراً نسخ کا حکم لگانا پڑے۔

اصول نسخ

فقہاء جو آیات قرآنی میں نسخ کے قائل ہیں ان کے یہاں اصول نسخ میں بھی اختلاف ہے شافعیہ کے نزدیک آیت قرآنی کو صرف دوسری آیت ہی منسوخ کر سکتی ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔

اِنَّمَا یُنسَخُ مَا نُسِخَ مِنَ الْکِتَابِ بِالْکِتَابِ۔ کتاب کی جو آیت منسوخ ہوئی ہے وہ کتاب ہی سے وَاَنَّ السُّنَّۃَ لَا تَکُوْنُ نَاسِخَۃً لِلْکِتَابِ منسوخ ہوئی ہے۔ حدیث قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

حنفیہ کے یہاں حدیث بھی آیت قرآنی کو منسوخ کر سکتی ہے۔

مولانا شبلی نعمانی نے سیرت النعمان میں اُلٹا یہ الزام امام شافعیؒ پر لگایا ہے۔ الفاروق جلد دوم میں بھی لکھتے ہیں۔

> قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر احاد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

تعجب یہ ہے کہ حنفیہ کا یہ اصول اور شافعیہ کا یہ اختلاف اصول فقہ کی کل کتب متداولہ میں مندرج ہے کیا کسی پر مولانا کی نگاہ نہ پڑی؟

حنفیہ کا یہ اصول کہ حدیثیں آیات قرآنی کی ناسخ ہو سکتی ہیں کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۔ ۱۰/۱۶ | اے پیغمبر! کہدے کہ مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں قرآن کی آیتوں کو اپنی طرف سے بدل دوں۔

کیا جب قرآن کے کسی لفظ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تصرف کا اختیار نہ تھا تو وہ اسکے احکام بدل سکتے تھے؟ پھر حدیث کا تو ثبوت بھی باجماع علمار رسالت مآب تک یقینی نہیں ہے بلکہ ظنّی ہے۔ وہ کیونکر متواتر یقینی اور قطعی آیت کو منسوخ کر سکتی ہے۔

دیگر کتبِ آسمانی

قرآن میں اللہ تعالےٰ نے سابقہ کتب آسمانی توریت۔ زبور اور انجیل کا ذکر کیا ہے۔ اور اُن کی تعریفیں بھی فرمائی ہیں کہ وہ ہدایت اور نور ہیں لیکن اب ان اصل کتابوں کا دنیا میں وجود نہیں ہے۔ صرف ان کے ترجمے باقی ہیں جن کا مجموعہ بائبل ہے۔

بائبل

بائبل میں عہد عتیق کی ۳۹ کتابیں ہیں۔ جن کی نسبت ان کے معتقدین یہ کہتے ہیں کہ یہ اُن انبیار سے ملی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے تھے۔ اور عہد جدید کی ۲۷ کتابیں ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد الہام کے ذریعہ سے لکھی گئی ہیں۔

ان میں سے بہت سی کتابیں پہلے خود عیسائیوں کے نزدیک نامقبول تھیں۔ لیکن چوتھی صدی عیسوی میں مقام نائس۔ کارتھیج اور فلارنس وغیرہ میں مسیحی علمار نے مشاورت کی مجلسیں منعقد کر کے ان مشکوک کتب کو بھی مقبول قرار دیدیا۔

بائبل بے سند ہے

ان کتابوں کی حالت یہ ہے کہ بالکل بے سند ہیں۔ آج دنیا میں کوئی مسیح کا پیرو یہ نہیں تبلا سکتا

کہ ان کا سلسلہ اسناد کیا ہے۔ اور کس ذریعہ سے اس کو یہ کتابیں ملیں۔ تاکہ ہمکو معلوم ہو سکے
کہ جن لوگونکے توسل سے یہ حاصل ہوئی ہیں وہ معتبر تھے یا غیر معتبر تھے۔ اُنھوں نے بجنسہٖ
ہم تک پہونچایا یا ان میں کچھ ردّ و بدل کردیا۔ بخلاف اس کے قرآن کے ہزاروں اسناد ہیں
جو مسلسل نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتے ہیں۔ اور اسناد کو تو اہل اسلام نے اس قدر
ضروری سمجھا ہے کہ حدیث اور تاریخ میں بھی بلا اسکے چارہ نہیں عقل کے نزدیک بھی بلا اسناد
کے کوئی بات کیونکر معتبر ہو سکتی ہے۔

وجوہ تحریف

اسکے علاوہ ان کتابونکے نامعتبر اور محرّف ہونے کے اور بھی چند اسباب ہیں۔

(۱) چارلس ڈالمین نے لکھا ہے

گزشتہ زمانے میں لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ لوہے یا پیتل یا ہڈی کی سلائی سے
لکڑی وغیرہ کی تختیوں پر نقطوں کے نقوش کندہ کئے جاتے تھے۔ سب سے
پہلے اہل مصر نے پیپرس کے درخت کے پتے ان تختیوں کے بجائے استعمال
کرنے شروع کئے۔ آٹھویں صدی عیسوی میں روئی اور ریشم سے کاغذ تیار
ہوا۔ پہلے کتابیں ایک ہی طرف لکھی جاتی تھیں۔ اور ان کو پولندہ بنا کر رکھتے
تھے۔ اُنکو کھولنے کے لئے بڑی جگہہ درکار ہوتی تھی۔ اور بہت دقت پیش
آتی تھی۔ کتابوں کا لکھنا۔ ترجمہ کرنا۔ پڑھنا اور اُن کو حفاظت کے ساتھ رکھنا
ایک مشکل کام تھا۔ نیز ان میں قصداً یا اور کسی سبب سے تغیر و تبدّل کا واقع
ہوجانا نہایت آسان تھا۔ مجدوں کا خیال کرتے ہوئے اس قسم کی خرابیونکی
بائبل میں بہت زیادہ قابلیت تھی۔

(۲) بخت نصر کے حملہ میں جب یہود پر تباہی آئی۔ لاکھوں مقتول اور ہزاروں قید ہوئے اس وقت عہد عتیق کے تمام نسخے برباد کر دیئے گئے۔ یہاں تک کہ اگر عزراؑ نہ پیدا ہوتے جنھوں نے ان تمام کتابوں کو پھر لکھکر مرتب کیا تو کتب مقدسہ کا نشان بھی نہ ملتا۔ لیکن عزراؑ کے بعد ہی ۱۶۸ق م میں بادشاہ انٹیوکس نے بیت المقدس کو پھر فتح کیا اور یہودیوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ عہد عتیق کے جس قدر نسخے جہاں سے اس کو مل سکے اُس نے جلوا دیئے اور اعلان عام کر دیا کہ جس کے پاس عہد عتیق کی کوئی کتاب نکلیگی یا وہ شریعت کی رسوم ادا کریگا قتل کر دیا جائیگا۔ چنانچہ اس کی تصریح خود کتاب مقابیں اوّل کے پہلے باب میں ہے ڈاکٹر ملنر لکھتے ہیں کہ یہ امر مسلم ہے کہ عہد عتیق کے تمام نسخے یروشلم اور ہیکل کے ساتھ بخت نصر کے لشکر کے ہاتھوں برباد ہوگئے۔ عزراؑ کے نسخوں کی نقلیں بھی حادثہ انیٹوکس میں ضائع ہوگئیں۔ اور ان کتابوں کی کوئی گواہی نہ تھی جب تک کہ مسیحؑ اور ان کے حواریوں نے شہادت نہ دی۔

(۳) ان کتابوں کے بعض بعض لغو مضامین۔ اور انبیاء کے اوپر بیہودہ الزامات اس بات کی صاف شہادت دیتے ہیں کہ ان میں کثرت سے تحریف کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت لوطؑ کی بیٹیوں نے ان کو شراب پلائی اور اُن سے حمل لیا۔ حضرت ہارونؑ نے گائے کا بچھڑا پوجا۔ حضرت سلیمانؑ نے بت پرستی اور شرک کو اختیار کیا اور اسی حالت میں مرتے دم تک رہے۔ کیونکہ یہ اس قسم کی باتیں ہیں کہ جو شخص انبیاء پر ایمان رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان داغوں سے دامانِ نبوّت قطعاً پاک ہے۔

علماء اہل کتاب کی دیانت پر نہایت تعجب ہوتا ہے کہ اُنہوں نے دنیوی اغراض سے وحی آسمانی اور کلام الٰہی میں تحریف کو روا رکھا۔ قرآن اُن کا ذکر کرتے ہوئے نہایت افسوس

کے ساتھ کہتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ افسوس ہے ان اہل کتاب پر جو اپنے ہاتھوں سے کتابیں
ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۲/۷۳ لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اللہ کیطرف سے نازل ہوئی ہے۔

تعجب ہے کہ بعض مصنفین اسلام نے یہ لکھا ہے کہ بائبل میں تحریف لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے اس سے نہ صرف ان کی بائبل کی حالت سے لاعلمی ظاہر ہوتی ہے بلکہ قرآن سے بھی کیونکہ قرآن اُن میں تحریف لفظی کا مدعی ہے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۴/۴۸ وہ الفاظ کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔

چنانچہ بائبل سے تبدیل۔ اخراج۔ الحاق وغیرہ ہر قسم کی تحریف کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں ڈاکٹر مل نے صرف چند اناجیل کا مقابلہ کیا تھا جن میں تیس ہزار اختلافات کے نشانات دیے تھے۔

خود بائبل میں تحریف کی اندرونی شہادت موجود ہے۔

> تم کیسے کہتے ہو کہ ہم دانشمند ہیں۔ رب کی شریعت ہمارے پاس ہے یقیناً جھوٹے کاتبوں کے قلموں نے اسکو جھوٹ سے بدل دیا ہے۔(یرمیاہ اصحاح ۸۔ آیت ۸)

پھر اسکے بعد ہے۔

> جب یہ گروہ تجھسے پوچھے کہ رب کی وحی کیا ہے تو ان سے کہہ دے کہ کونسی وحی۔ میں تم سے انکار کرتا ہوں کہ وہ قول رب کا ہے۔ جو نبی یا کاہن یا گروہ یہ کہیگا کہ رب کی وحی ہے۔ میں اسکو سزا دونگا۔ اور اسکے گھر والوں سے بدلہ لونگا اسی طرح پر کہو تم آدمی اپنے ساتھی سے، بھائی اپنے بھائی سے کہ کیا جواب دیا

رب نے اور کیا کلام کیا رب نے۔ لیکن رب کی وحی اس کا ذکر نہ کرو۔
کیونکہ بات ہر آدمی کی اسی کی وحی ہوتی ہے۔ اسلئے کہ تم نے تحریف کر ڈالا
اللہ کے کلام کو۔ جو کہ زندہ اللہ۔ رب الافواج اور ہمارا معبود ہے (یرمیاہ
اصحاح ۲۳ آیت ۳۳-۳۶)

اناجیل

اناجیل کی حیثیت ایک مشکوک تاریخ سے زیادہ نہیں ہے۔ متی کی اصل انجیل دنیا سے مفقود ہے۔ اس کا صرف یونانی ترجمہ باقی ہے۔ لوقا اور مرقس وغیرہ حواری بھی نہ تھے۔ چنانچہ تیسری ہی صدی عیسوی میں اناجیل کی صحت میں اختلاف واقع ہو گیا تھا۔ اور بہت سے لوگوں نے یہی کہا کہ وہ حواریوں کی طرف غلطی سے منسوب ہیں۔

ایک انجیل جو برنابا حواری کی طرف منسوب ہے اور پاپائے روم کے کتب خانہ سے دستیاب ہوئی بھی تھوڑا زمانہ ہوا ہے کہ شائع کی گئی ہے۔ وہ چونکہ ابتدائے عہد سے عیسائیوں میں متروک تھی اس لئے نسبتاً تحریف سے بھی محفوظ رہی ہے۔ چنانچہ اس کے اکثر مضامین قرآن سے مطابقت کھاتے ہیں۔

وید

ہندو جو اپنے چاروں وید یعنی رگ وید۔ یجر وید۔ شام وید۔ اور اتھرون وید کی قدامت کے قائل ہیں ان کے پاس بھی مطلق کوئی ثبوت اس بات کا نہیں ہے کہ یہ کتابیں آسمانی ہیں نہ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ کس سند سے یہ ہم تک پہونچیں اور کن لوگوں پر نازل ہوئیں۔ اور انکے آسمانی نہ ہونے کے بہت سے وجوہات ہیں جن میں سے چند لکھتا ہوں۔

(۱) آسمانی کتاب کے لئے یہ لازم ہے کہ اپنے الہامی ہونے کی مدعی بھی ہو۔ قرآن نے

سیکڑوں آیات میں تنزیل ہونے کا دعوا کیا ہے۔ لیکن ان ویدوں میں سے کسی ایک میں بھی یہ دعوا نہیں پایا جاتا۔ اسلئے یہ آسمانی کتابیں نہیں ہو سکتیں۔ ان کے معتقدین محض اپنی عقیدتمندی سے اس کو الہامی کہنے لگے ہیں۔

(۲) تاریخوں سے ان ویدوں کی اصلیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بعض ہندو قائل ہیں کہ ان ویدوں کو بیاس جی نے جو زرتشت کے زمانہ میں تھے اور بلخ میں جا کر اس کے مرید ہو آئے تھے تصنیف کیا ہے۔ اسی وجہ سے ان کو وید بیاس جی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ویدوں کے منتروں کے آخر میں جن رشیوں کے نام آتے ہیں وہی لوگ ان کے مصنف ہیں۔ پنڈت کرشن کمار بھٹیاچاریہ جو پریزیڈنسی کالج کلکتہ میں سنسکرت کے پروفیسر تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ رگ وید کے حصے اس ملک کے شاعروں اور رشیوں نے تصنیف کئے ہیں اور وہ مختلف زمانوں میں لکھے گئے ہیں۔

اتھرون وید کے متعلق اکثر پنڈتوں کی تحقیق یہ ہے کہ وہ کسی برہمن کی بنائی ہوئی کتاب ہے جو بعد میں ویدوں کے ساتھ ملا دی گئی ہے جوگ بشسٹ میں جو ہندوؤں میں ایک متبرک کتاب تسلیم کی جاتی ہے اور جو اُن تعلیمات کا مجموعہ ہے جو راجہ رامچندر جی کو ان کے اُستاد نے دی تھیں لکھا ہے کہ صرف اتھرون وید ہی کے وید ہونے میں بحث نہیں ہے بلکہ کل ویدوں کا یہی حال ہے۔ اور کوئی اُن میں سے ایسا نہیں ہے جو تغیر تبدّل یا کمی بیشی سے خالی ہو۔

(۳) جب ہم ان ویدوں کے مضامین پر نظر ڈالتے ہیں تو انہیں توحید کم اور شرک بیشتر پاتے ہیں۔ اسکے مخاطب زیادہ تر چرواہے اور کسان ہیں۔ اس میں قماربازی بھی ہے۔ اور جابجا حیوانی اور شہوانی جذبات کا ذکر ہے۔ بعض بیانات تہذیب سے عاری ہیں۔

پھر بھلا ایسی نامعلوم الحقیقت۔ غیر مستند اور غیر مفید کتاب کیونکر آسمانی کہی جا سکتی ہے۔

الغرض قرآن کے سوا جن کتابوں کے آسمانی ہونیکا دعوا کیا جاتا ہے وہ نامعتبر جنھوں نے ان کو لکھا ان کے حالات مجہول۔ جن زبانوں میں وہ نازل ہوئیں وہ زبانیں مردہ۔

فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ ۲۰ ۲۰	پھر تم کدھر جاؤگے۔ یہ قرآن تو سارے جہاں والوں کے لئے ایک نصیحت کی کتاب ہے۔

یہ ایسی کتاب ہے کہ وہ لوگ بھی جو اسکے قائل نہ تھے اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ راڈویل لکھتا ہے۔

قرآن میں ایک نہایت گہری حقانیت ہے جو اُن لفظوں میں بیان کی گئی ہے جو باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح رہنمائی اور الہامی حکمتوں سے مملو ہیں۔

ڈیون پورٹ نے لکھا ہے۔

منجملہ ان بہت سی خوبیوں کے جن پر قرآن فخر کر سکتا ہے دو نہایت ہی عیاں ہیں۔ ایک تو وہ مودبانہ انداز اور عظمت جسکو قرآن اللہ کا ذکر یا اشارہ کرتے ہوئے ہمیشہ مدّنظر رکھتا ہے۔ کہ وہ اس کی طرف خواہشات رذیلہ اور انسانی جذبات کو منسوب نہیں کرتا۔ اور دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ تمام نامہذب اور ناشائستہ خیالات۔ حکایات اور بیانات سے بالکل منزہ ہے جو بدقسمتی سے یہود کے صحیفوں میں عام ہیں۔ قرآن تمام ناقابل انکار عیوب سے بالکل مبرا ہے۔ اس پر خفیف سے خفیف حرف گیری بھی نہیں ہو سکتی۔ اسکو شروع سے آخر تک پڑھ جائے مگر تہذیب کے رخساروں پر ذرا بھی جھجک کے آثار نہیں پائے جائینگے۔

تفاسیر قرآن

عہد نبوت ہی میں قرآن کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ صحابہ اور نیز تابعین میں ایک جماعت علوم قرآنیہ میں نامور اور ممتاز ہوئی۔

پہلی تفسیر

جب تدوین کتب شروع ہوئی تو خلیفہ عبدالملک اُموی کی فرمائش سے پہلی صدی ہجری کے اواخر میں سعید بن جُبیر نے قرآن کی تفسیر مدوّن کی۔

تیسری صدی ہجری میں امام ابن جریر طبری نے اپنی مشہور تفسیر لکھی۔ اس میں اُنہوں نے بسلسلہ اسناد اس کل علم کو جمع کر دیا جو قرآن کے متعلق اُس وقت تک مسلمانوں کے پاس تھا یہ اُمُّ التّفاسیر کہی جاتی ہے۔ کیونکہ زمانہ ما بعد میں جس قدر تفسیریں لکھی گئی ہیں اُن سب کا ماخذ یہی ہے۔

کثرت تفاسیر

طبری کے بعد علماء اسلام نے اس قدر تفسیریں لکھیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح محدثین اور فقہا کی کثرت تھی اسی طرح مفسرین کی بھی ایک جماعت کثیر ہر زمانہ میں رہی۔ بعض بعض تفسیریں اس قسم کی لکھی گئی ہیں جو دو دو سو اور تین تین سو جلدوں میں ختم ہوئی ہیں۔ تفسیر حدائق پانسو جلدوں میں ہے۔

تفاسیر میں خرابی

لیکن زمانہ ما بعد میں تفاسیر میں ایک خرابی یہ واقع ہوئی کہ مفسّرین نے روایات کے سلسلۂ اسناد کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے خرافات قصّے اور رطب و یابس لغو افسانے

جو تفسیروں میں آ گئے تھے مسلّمہ اقوال مان لئے گئے اور وہی ان تفاسیر میں سلسلہ بسلسلہ نقل ہونے لگے۔ دوسری خرابی یہ پڑ گئی کہ لوگوں نے زیادہ تر اپنے خاص خاص عقائد کے مطابق تفسیریں لکھنی شروع کیں۔ معتزلہ نے اعتزال اور صوفیوں نے تصوّف کے رنگ میں آیات کے معانی لکھے۔ اور اپنے اپنے خیالات کے مطابق ان کی تاویل کی۔ اس وجہ سے جس قدر تفاسیر کی کثرت ہوتی گئی اسی قدر قرآن کی اصلی اور صحیح تعلیم سے بُعد ہوتا گیا۔

محمد بن حمزہ کرمانی کی تفسیر العجائب والغرائب کے متعلق جس میں اس نے عجیب و غریب باتیں مندرج کی تھیں جب امام بلقینی سے پوچھا گیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ ایسے مفسّر ملحد ہیں اسی طرح حقائق التفسیر کے بارے میں جو صوفیانہ رنگ میں ہے امام واحدی نے کہا کہ جو شخص اسکو تفسیر سمجھے وہ کافر ہے۔

اہل تشیع نے جو تفسیریں لکھی ہیں ان میں اپنے خاص عقائد کے اثبات کے لئے ایسی ایسی ناجائز اور غلط تاویلات کی ہیں جو سراسر معنوی تحریفات ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن ایک روشن اور مفصّل کتاب ہے۔ وہ اپنی تفسیر آپ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو نہایت مبین اور آسان بنایا ہے۔ وہ انسانی تشریح و تفسیر کا مطلق محتاج نہیں ہے۔ البتہ کتب تفسیر سے اسکے طریقۂ فہم اور اخذ مسائل میں مدد ملتی ہے۔ موجودہ تفسیروں میں سب سے مقدم طبری ہے۔ قرآن فہمی کے لئے آج بھی سب سے اچھا ذخیرہ وہی ہے۔ کیونکہ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارے سلف صالح نے اس کتاب کو کس طرح پر سمجھا تھا۔ اور اگرچہ اس میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں ہیں لیکن سلسلہ سند موجود ہونے کی وجہ سے انکی تحقیق بہت آسان ہے۔ اسی تفسیر کی نسبت بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ اسکے حاصل کرنے کے لئے اگر کوئی شخص عرب سے چین تک کا سفر کرے تو کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔

تراجم قرآن

اسلامی پرچم کے ساتھ ساتھ عربی زبان دنیا میں پھیلی اور مسلمانوں کی یہی خواہش رہی کہ جو قومیں اسلام میں داخل ہوں وہ قرآن کو اس کی اصلی زبان یعنی عربی ہی میں پڑھیں۔ چنانچہ موحدین کی سلطنت کے زمانہ میں جن کا تسلط الجزائر سے اندلس تک ۵۲۴ھ سے ۶۶۸ھ تک رہا ہے جب قرآن کا ترجمہ بربری زبان میں کیا گیا تو وہاں کے علمار نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی۔ اور غیر عربی میں اس کی تعلیم کو ناجائز قرار دیا۔ آخر کار وہ ترجمہ فنا کر دیا گیا

اجازت ترجمہ

لیکن ائمہ اسلام نے اس میں تکلیف اور نقصان دیکھکر قرآن کے ترجمہ کی اجازت دی ہے چنانچہ فارسی زبان میں اسکے ترجمے ہوئے اور شیخ سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ نے بھی اس کا ایک ترجمہ لکھا۔ ترکی زبان میں بھی ترجمے کیے گئے۔

ہندوستان میں قدیم خیال کا تعصب عرصہ دراز تک باقی رہا۔ جب شاہ ولی اللہ صاحب نے قرآن کا فارسی میں ترجمہ لکھا تو اس زمانہ کے مولویوں نے ان کی مخالفت کی۔ اور دہلی کی مسجد فتحپوری میں ان کے قتل تک کے لیے آمادہ ہو گئے۔

اب تو ہندوستان میں یہ کیفیت ہے کہ گھر گھر قرآن کے ترجمے ہو رہے ہیں۔

یورپ میں ترجمے

یوروپین اقوام کو جب علوم و فنون کی طرف میلان ہوا تو اُنھوں نے بھی قرآن کے ترجمے شروع کیے۔ لیکن ترجمہ بجائے خود ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں سوائے معانی کے کلام کی تمام حالتیں بدل جاتی ہیں۔ علاوہ بریں قرآن کے یوروپین مترجمین بوجہ اپنے مذہبی تعصب کے

اس کی معنوی خوبیوں کے بھی قائل نہ تھے۔ اسلئے وہ اچھے ترجمے نہیں کرسکے بلکہ بعض نے ناواجب نکتہ چینیوں سے قرآن کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ بعضوں نے ساتھ ہی ساتھ اس کی تردید بھی کی۔ چنانچہ لیڈوئس مراکشی نے قرآن کا جو ترجمہ کیا تھا اس کے شائع کرنے کی اجازت اسوقت تک نہیں دی گئی جب تک کہ اسکے ساتھ اسکی تردید بھی نہ شامل کردی گئی۔

یورپ میں قرآن کے جو ترجمے ہوئے ہیں اُنکے متعلق خود وہاں کے اہل بصیرت کی رائے سننے کے قابل ہے۔ کارلائل کہتا ہے۔

اصلیت یہ ہے کہ قرآن یورپ کے کافر کے پاس اپنی اصلی شکل میں نہیں پہنچا،

مشہور مصنّف مانشیور سیواری نے لکھا ہے۔

جس طرح پر قرآن یورپ میں پیش کیا گیا ہے اس سے یہ کبھی گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ عربی میں یکتا اور بے مثل ہے۔

مسٹر گاڈفرے ہیگنس نے لکھا ہے۔

اگر عبرانی کتب مقدسہ کا ترجمہ اس طرح شائع کیا جائے کہ ہر لفظ قابل تبدیل متین اور شائستہ معنی سے ذلیل اور غیر مہذب معنی میں بدل دیا جائے اور ہر آیت کا مضمون جوڑ توڑ اور ناقابل برداشت غلط ترجموں اور تاویلوں کے ساتھ مصنّف پر معیوب معنے پہنانے کا ذریعہ بنایا جائے اور ایک بے قدر اور خراب شرح اسکے ساتھ لگادی جائے تو اس ذریعہ کا کسی قدر تصوّر بندھ سکتا ہے جس کی وساطت سے قرآن کی اشاعت یورپ میں ہوئی ہے۔

تراجم کی فہرست

قرآن کے غیر معمولی ترجمے یورپ کی مختلف زبانوں میں بہت سے ہوئے ہیں ان میں سے جو مروّج اور مشہور ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

نمبر شمار	نام مترجم	زبان	سن ترجمہ
۱	ڈلمنی	لاطینی	سنہ ۱۱۴۳ء
۲	انڈریا ارادا بینی	اطالی	....
۳	جوہانس انڈریاسن	ایروگونین (اسپین کا ایک صوبہ)	سنہ ۱۵۰۰ء
۴	شویگر	جرمن	سنہ ۱۶۱۶ء
۵	انڈرو ورائر	فرنچ	سنہ ۱۶۳۷ء
۶	الیگزنڈر راس	انگلش	سنہ ۱۶۴۹ء
۷	لیڈوئس مراکشی	لاطینی	سنہ ۱۶۹۸ء
۸	جارج سیل	انگلش	سنہ ۱۷۳۴ء
۹	میگرلن	جرمن	سنہ ۱۷۷۲ء
۱۰	....	روسی	سنہ ۱۷۷۶ء
۱۱	سیواری	فرنچ	سنہ ۱۷۸۳ء
۱۲	جے۔ایم راڈویل	انگلش (بہ ترتیب نزول)	سنہ ۱۸۲۹ء
۱۳	واہل	جرمن	سنہ ۱۸۲۸ء
۱۴	گارسن ڈی ٹاسی	فرنچ	سنہ ۱۸۲۹ء
۱۵	کاسمرسکی	فرنچ	سنہ ۱۸۴۰ء
۱۶	المان	جرمن	سنہ ۱۸۴۰ء
۱۷	پروفیسر پالمر	انگلش	سنہ ۱۸۸۰ء

مترجمین کا تعصب

۱۱۴۳ء جس میں قرآن کا پہلا ترجمہ ہوا وہ زمانہ ہے جبکہ یورپ کے عیسائی مسلمانوں سے سخت مذہبی تعصب رکھتے تھے۔ اس زمانہ کے پیشواؤں کی ان متعصبانہ غلط بیانیوں کو جو اُنہوں نے اسلام کے متعلق کی تھیں اب خود اہل یورپ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔
اسی زمانہ میں یہ ترجمہ کنیسہ کلوجنی کے اسقف کی ہدایت کے موافق دو شخصوں نے ملکر لاطینی زبان میں کیا تھا۔ ایک انگریز رابرٹ این سس اور دوسرا جرمن ڈلمنی نامی تھا۔ پھر اطالیہ۔ اور جرمنی وغیرہ میں اسی متعصبانہ ترجمہ سے ترجمے کیے گئے۔ انہیں ترجموں کی مدد سے انڈرو درائر نے فرنچ میں ترجمہ کیا۔ اور انہیں سے الیگزنڈر راس نے ۱۶۴۹ء میں سب سے پہلا انگریزی ترجمہ کیا سینٹ پیٹرس برگ میں پہلا ترجمہ ۱۷۷۶ء میں جو کیا گیا تھا وہ بھی انہیں ترجموں سے ماخوذ تھا۔ الغرض ابتدا ہی سے یورپ میں قرآن کی اشاعت صحیح شکل میں نہیں ہوئی۔

ایک ترجمہ کی ضرورت

خود مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ قرآن کا ایک صحیح ترجمہ کسی قدر تشریح کے ساتھ یورپ میں شائع کریں۔ چند سال ہوئے قادیانیوں کی طرف سے ایک ترجمہ انگریزی زبان میں شائع کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں تاویلات رکیکہ اس قسم کی ہیں جن کو کوئی اہل بصیرت مسلمان پسند نہیں کرسکتا۔ اس لئے اس سے وہ فرض ادا نہ ہوسکا۔ قرآن کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرنا چاہیئے نہ کہ اپنے خیال کے مطابق۔ **شعر**

داستانِ فصلِ گُل خوش می سراید عندلیب
زاغہا آشفتہ تر گفتند این افسانہ را

قرآن کا پایۂ علمی

قرآن وحی الٰہی۔ شریعت حقہ کا منبع اور ہر قسم کی دینی اور دنیوی صحیح تعلیمات کا لُب لباب ہے۔ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر کتابیں انبیاء سابقین پر نازل فرمائیں ان سب کی تعلیمات کو قرآن شامل ہے! اور قرآن کا سارا علم اجمالاً اسکے دیباچہ سورۂ فاتحہ میں ہے۔

جاحظ نے اس قول کی تشریح اِس طرح پر کی ہے کہ وہ علوم جو قرآن میں ہیں یا دوسرے لفظوں میں جن پر شریعت حقہ کی بنیاد قائم ہے چار ہیں۔ اور ان سب کو سورۂ فاتحہ شامل ہے۔

(۱) اصول۔ اس کا مدار معرفت ذات وصفات الٰہی پر ہے۔ اس کی طرف رب العالمین اور الرحمٰن الرحیم سے اشارہ ہے۔

(۲) نبوت۔ انعمت علیہم سے انبیاء اور اُنکے متبعین با اخلاص مراد ہیں۔

(۳) معاد۔ مالک یوم الدین میں اس کا اجمالی عقیدہ ہے۔

(۴) عبادات۔ ایاک نعبد جملہ عبادات کو شامل ہے۔

قرآن جن علوم پر مشتمل ہے ان کے اَسّی عنوان علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب اتقان میں قائم کئے ہیں اور ہر ایک پر مستقل تصانیف علماء اسلام کی نام بنام گِنائی ہیں۔

تاریخی حیثیت سے جب ہم دیکھتے ہیں تو قرآن کو جملہ علوم اسلامیہ کا مرکز پاتے ہیں مسلمانوں کے ہر علم کی بنیاد اسی سے پڑی ہے مختصراً اس کا بیان لکھتے ہیں۔

کتابت

بلاذری کے بیان کے مطابق اسلام سے پہلے کل حجاز میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا

جانتے تھے۔

ظہور اسلام کے بعد عربی خط کا منارہ بلند ہونا شروع ہوا۔ جس کا اصل باعث قرآن کریم ہے۔ کیونکہ پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس میں تھا۔

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۹۶ / ۴-۵	اللہ نے قلم سے علم سکھلایا۔ اور آدمی کو وہ باتیں سکھلائیں جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔

دوسری سورہ میں اللہ نے قلم اور نوشتوں کی قسم کھائی۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ○ ۶۸ / ۱	قلم کی قسم۔ اور جو کچھ لکھتے ہیں اس کی قسم

چنانچہ عرب میں سب سے پہلے جس نے عام طور پر خط کی اشاعت کی کوشش کی وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ کیونکہ علاوہ اسکے کہ وحی الٰہی اور ان خطوط کے لئے جو غیر ممالک کے بادشاہوں کو بھیجے جاتے تھے آپ کو کاتبوں کی حاجت تھی اُمت اسلامیہ کو علمی قوم بنانے کے لئے اس کی سخت ضرورت تھی۔ اسلئے آپ کی خواہش یہ تھی کہ بالعموم اہل اسلام میں کتابت رائج کر دیں۔ اس کی شہادت اس واقعہ سے بھی ملتی ہے کہ اسیران بدر میں سے جن کو لکھنا آتا تھا ان کا یہ فدیہ آپنے مقرر کیا تھا کہ مدینہ کے دس دس آدمیوں کو لکھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں۔

علم تفسیر

سب سے پہلے مسلمانوں نے جس علم کی طرف توجہ کی وہ تفسیر قرآن ہے عہد صحابہ اور نیز اس وقت تک جبتک کہ محض اہل عرب اسلام میں داخل ہوئے تھے قرآن کے سمجھنے میں ان کو زیادہ دشواری نہیں پیش آتی تھی۔ لیکن جب دوسری قومیں مسلمان ہوئیں تو تفسیر آیات میں اختلافات پڑنے شروع ہوئے۔ اس غرض کے لئے بہت سے لوگوں

نے اُن احادیث اور آثار کی جستجو کی جن میں آیات قرآنی کی تفسیر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ نے فرمائی تھی۔ اُن سے علم تفسیر کی بنیاد پڑی۔

سِیَر و مغازی

قرآن فہمی کے لئے اس امر کی بھی بہت سخت ضرورت تھی کہ آنحضرتؐ کے حالات۔ واقعات اور اخبار جمع کئے جائیں۔ کیونکہ بغیر ان کے آیتوں کے موقعہ و محل و شان نزول وغیرہ کا پتہ نہیں ملتا۔ اس لئے ایک جماعت نے ان امور کے جمع کرنے کی طرف توجہ کی۔ اس سے سِیَر و مغازی کا فن مرتب ہوا۔

حدیث و اسماء الرجال

قرآن کی تعلیمات و تلقینات کی آنحضرتؐ نے جو تشریح و تفصیل فرمائی تھی اس کی فراہمی بھی لابدی تھی تاکہ عبادات۔ معاملات۔ اخلاق و آداب وغیرہ مفصل طور پر سمجھے جا سکیں۔ ایک جماعت نے یہ کام کیا۔ اور تمام حدیثیں فراہم کیں۔ پھر ان کی صحت اور غلطی جانچنے کے لئے فن رجال مرتب کیا جس میں رواۃ کے حالت مدوّن کئے۔

ادب و لغت

غیر اہل عرب کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ عربی زبان سیکھیں تاکہ قرآن سمجھ سکیں۔ اس غرض کے لئے ایک جماعت نے عرب کے بیابانوں میں دربدر خاک چھان کر عربی الفاظ محاورات امثال اور اشعار جمع کئے۔ اس سے علم ادب اور فن لغت کی ترتیب ہوئی۔

صرف و نحو

عجمیوں کے لئے ایک دشواری یہ بھی تھی کہ وہ عربی زبان کے اعراب ٹھیک نہیں پڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے اس آیت کو

أَنَّ اللّٰهَ بَرِيٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۹|۳ اللہ بری ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی

بکسر لام یعنی رسولِہ پڑھا جس سے آیت کے معنی یہ ہو گئے کہ اللہ مشرکوں اور اپنے رسول دونوں

سے بری ہے۔ اسوجہ سے لوگوں کو اس کی طرف توجہ ہوئی اور قواعد لسانیہ ترتیب دیے گئے۔

معانی و بیان

گو عربی زبان پہلے ہی سے فصاحت و بلاغت وقوت و شوکت میں بلند رتبہ رکھتی تھی لیکن قرآن نے اس کو اس سے بھی بلند ترین رتبہ پر پہونچا دیا۔ ادیبوں کی عبارتوں اور خطیبوں کے خطبوں کے لئے اس کی آیتیں زیور ہو گئیں جن سے وہ اپنے کلام کو آراستہ کرتے تھے۔ اور وہی کلام اہل علم کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہوتا تھا جس میں قرآن کی آیتیں زیادہ تر استعمال کیجاتی تھیں۔ ائمہ فن نے فصاحت و بلاغت کے تمامتر اصول قرآن ہی سے اخذ کر کے علم معانی و بیان کو مدوّن کیا۔

فقہ و اصول فقہ

یہ امر بھی ضروری تھا کہ قرآن سے شریعت کے جو احکام مستنبط ہوں وہ ایسے قانونی اصول پر ہوں جن سے استنباط کی کیفیت معلوم ہو سکے۔ اس غرض کے لئے امام شافعیؒ نے اصول فقہ وضع کیا۔ پھر جو احکام مستنبط ہوسے وہ بھی جمع کیے گئے اور اُن کا نام فقہ رکھا گیا۔

کلام و عقائد

قرآن کی تعلیمات پر فلسفیوں۔ ملحدوں اور زندیقوں نے جب اعتراضات کرنے شروع کئے تو ان کے جوابات دینے کے لئے مسلمانوں نے بھی فلسفہ الٰہیات یعنی علم کلام و عقائد کی بنیاد ڈالی۔

الغرض جسقدر اسلامی علوم ہیں ان سب کا دائرہ قرآن ہی کے محور پر گردش کرتا ہے۔

مقبولیت واشاعت قرآن

دنیا میں اللہ تعالےٰ کا دیدار نہ کسی کو نصیب ہو سکتا ہے نہ اس سے ملاقات میسّر آسکتی ہے یہاں اگر اس کی ہم کلامی کا کوئی ذریعہ ہے تو صرف یہی قرآن ہے جس کی تلاوت میں ایک قربِ معنوی انسان کو اُسکے ساتھ رہتا ہے۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

درسخن مخفی شدم چوں بوئے گُل دربرگِ گل   میلِ دیدن ہر کہ دارد درسخن بیند مرا

حفظ و تلاوت

یہ کلام چونکہ قربِ الٰہی۔تزکیۂ قلب اور روحانی پاکیزگی کا وسیلہ ہے اسلئے اس کا حفظ اور اسکی تلاوت اُمّت کے واجبات اوّلیہ میں سے قرار پائی۔اور رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا حکم دیا گیا۔

وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ وَأَنْ أَتْلُوَا الْقُرْآنَ ۚ ٢٧/٩٤	اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں اور قرآن کی تلاوت کروں۔

آنحضرتؐ خود بھی اس کی تلاوت فرماتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

> جو مسلمان قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال نارنگی کی ہے جس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی عمدہ۔اور جو مسلمان قرآن نہیں پڑھتا وہ مثل خرما کے ہے جو شیریں تو ہوتا ہے لیکن خوشبودار نہیں ہوتا۔اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے وہ بمنزلہ ریحان کے ہے جس میں خوشبو تو ہے لیکن اس کا مزہ کڑوا ہے اور جو منافق قرآن بھی نہیں پڑھتا وہ حنظل کے مشابہ ہے جس میں خوشبو مطلق

نہیں اور بیحد تلخ ہے۔

علاوہ ازیں کہ اس کی تلاوت عبادت ہے اس کی دلکش عبارت اس قسم کی ہے کہ کلام عرب میں اس کی کوئی نظیر نہ تھی۔ نہ تو یہ کاہنوں کی نثر سے ملتی جو بہ تکلّف مسجّع بنائی جاتی تھی اور نہ شعرا کی نظم سے مشابہ ہے جس میں قافیہ اور وزن کی پابندی کی جاتی تھی۔ بلکہ ایک عجیب وغریب نثر ہے جو جدّت اسلوب۔ ندرت ترکیب۔ فصاحت و بلاغت اور معنوی لطافت و نزاکت کے لحاظ سے اس قدر انوکھی اور دلنشین ہے کہ اہل عرب کے کان ایسے کلام سے مطلق آشنا نہ تھے اس لئے وہ اس پر جان سے والہ و شیدا ہو گئے۔

کاہنوں نے کہانت چھوڑ دی۔ شعرا شعرخوانی بھول گئے۔ خطیبوں نے خطبہ موقوف کیا اور سب نے قرآن کو ایسا نعم البدل پایا کہ جس سے جس قدر ہو سکتا تھا اسی کو پڑھتا تھا اور اسی کی تلاوت سے تسکین قلب اور روحانی سرور حاصل کرتا تھا۔ حضرت لبید بن ربیعہ جو عربی کے اُن ممتاز ساتھ شعراء میں سے تھے جن کے قصائد لاجواب ہونے کی وجہ سے خانہ کعبہ میں لٹکا دیئے گئے تھے۔ اسلام لانے کے بعد قرآن میں اُنہوں نے وہ لذّت پائی کہ پھر شاعری کا کبھی نام بھی نہ لیا۔

صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اس کو پڑھتے تھے۔ اور بعض بعض لوگ اُن میں اس قسم کے تھے کہ ان کو اس کی تلاوت سے سیری نہیں ہوتی تھی۔ وہ کبھی کبھی ساری ساری رات اس کی تلاوت میں گذار دیتے تھے۔ مثلاً حضرت عثمان۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

مسلمان۔ بڈھے اور جوان۔ عورتیں اور بچے۔ سفر میں حضر میں۔ لڑائی کے میدانوں میں۔ گھروں میں رات کو دن کو غرض کسی حالت میں اس کی تلاوت سے غافل نہیں ہوتے تھے۔

اس کتاب کا نام اللہ تعالےٰ نے قرآن رکھا۔ جسکے معنے ہیں پڑھنے کی چیز۔ دراصل اس نام ہی میں یہ پیشین گوئی مضمر تھی کہ یہ کتاب بخلاف دیگر کتب آسمانی کے قیامت تک بہت زیادہ پڑھی جائیگی۔

اور یہ بھی قرآن کا ایک اعجاز ہے کہ وہ جس قدر اور جتنی بار پڑھا جائے اسی قدر اور اتنا ہی زیادہ دلکش اور لطیف معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ کسی کتاب کو آدمی جب کئی بار پڑھ لیتا ہے۔ تو پھر اس کی طبیعت اس سے گھبرانے لگتی ہے۔

شوق کتابت

قرآن کی کتابت بھی ایک عبادت ہے۔ مسلمانوں کو اس کے لکھنے کا جس قدر شوق تھا اس کا اندازہ کچھ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۲۵ھ میں حضرت عثمانؓ نے اس کے نسخے صوبوں میں بھیجے تھے۔ اسکے بعد ۳۷ھ میں جب صفین کا واقعہ پیش آیا تو صرف امیر معاویہ کی فوج میں سے پانسو قرآن نیزوں پر اٹھائے گئے تھے۔ اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ہر ہر صوبہ میں اس عرصہ میں کس قدر کثیر تعداد میں اسکے نسخے لکھے گئے ہونگے۔

سونے۔ چاندی اور ہاتھی دانت کی تختیوں پر اس کی آیتیں لکھی جاتی تھی۔ خاص خاص محفلوں کے لئے حریر اور دیبا کے حروف تراش کر قرآن کے مناسب حال فقرے آویزاں کئے جاتے تھے مسجدوں کی محرابوں۔ کتب خانوں اور قبرستانوں میں اسی کی آیتوں کے کتبے ہوتے تھے۔ خلفاء اور سلاطین خود اپنے ہاتھوں سے قرآن کے نسخے لکھتے تھے اور اس کو ثواب اور نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس کے بعض بعض نسخوں پر جو اب بھی کہیں کہیں کتب خانوں میں موجود ہیں لاکھ لاکھ اشرفیاں صرف کی گئی ہیں۔

الغرض مقبولیت کا انتہائی عروج جس پر دنیا کی کوئی چیز آجتک نہیں پہونچ سکی تھی

اس پر قرآن پہونچا۔

نشر و اشاعت

عہد نبوت ہی میں یہ دستور جاری ہو گیا تھا کہ جب کوئی قوم یا جماعت مسلمان ہوتی تھی تو آنحضرتؐ اپنے صحابہ میں سے ایک یا چند کو قرآن کی تعلیم دینے کے لیے اس کے پاس بھیجدیتے تھے۔ ہر قبیلہ میں اسی کو امیر مقرر فرماتے تھے جو اُن میں قرآن سے زیادہ واقف ہوتا تھا۔ عہد فاروقی میں ہر اسلامی آبادی میں تعلیم قرآن کے لئے مکاتب اور مدارس قائم کئے گئے اور معلمین کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی گئیں۔ ان کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ قرآن کے ساتھ عربی ادب کی بھی تعلیم دیں۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں تعلیم قرآن اور بھی زیادہ بڑھا دی گئی۔ جہاں جہاں تک حدود اسلام پھیلے ہر جگہ اس کی اشاعت اور تعلیم کا بندوبست کیا گیا۔ لڑکے اور لڑکیوں کو ابتدا میں اسی کی تعلیم دیجانے لگی جو ابتک برابر رائج ہے۔

جہاں جہاں مسلمان پھیلے ان کی بغلوں میں قرآن رہا۔ اور اس قدر اس کی اشاعت کی کہ آج مسلمانوں میں سے جن میں دنیا کے ہر حصہ کے رہنے والے اور ہر زبان کے بولنے والے شامل ہیں مشکل سے کوئی فرد ایسا ملیگا جس کو اس کتاب کا کوئی حصہ یاد نہ ہو۔ اور لاکھوں ایسے ملینگے جو پورے قرآن کے حافظ ہونگے۔

علماء اسلام بھی ہر زمانہ میں اس کی تفسیر اور اسکے علوم کی تحقیق و تعلیم میں مصروف رہے اور انہوں نے اسکے متعلق جو تصانیف کیں اور جنکا سلسلہ بدستور جاری ہے وہ حد شمار سے باہر ہیں۔

مدنیّت اور قرآن

یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے کہ دنیا میں علوم اور معارف کی جس قدر روشنی پھیلی۔ اور تمدّن

اور تہذیب نے جتنی ترقی کی یہ سب نتیجہ ہے اُن آسمانی تعلیمات کا جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کو ملیں۔ جن لوگوں نے ان کو مانا وہ براہ راست فیضیاب ہوئے۔ اور جنہوں نے نہیں مانا وہ ان کو دیکھکر اثر پذیر ہوئے۔ بہرصورت انہیں آسمانی علوم نے اقوام عالم کے دماغوں میں وسعت اور روشنی پیدا کی جس کی وجہ سے وہ تمدّن اور تہذیب کی شاہراہ پر پڑ گئیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بنی نوع انسان کی ترقی و تہذیب اور ہر قسم کی ایجادات و اختراعات کے لئے اس کی خداداد عقل اور آسمان و زمین کے کھلے ہوئے صحیفے کافی ہیں وہ غلطی پر ہیں یہی کائنات فطرت کی کتاب اور یہی انسانی دماغ امریکہ اور آسٹریلیا میں بھی تو تھے۔ مگر جس وقت وہاں متمدن انسان پہونچا تو اس نے وہاں کے باشندوں کو کس حالت میں پایا۔ حالانکہ اب وہی لوگ ہیں جو علوم و فنون میں متمدن اقوام کے ساتھ دوش بدوش چل رہے ہیں۔

اس دلیل سے مذکورہ بالا دعوے کی صحت میں کچھ شبہ نہیں رہ جاتا۔ اور صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ترقی انسان نے کی ہے وہ انبیاء کی تعلیم کا فیض ہے۔ اور قرآن چونکہ ان تمام بہترین تعلیمات کا مکمل مجموعہ ہے جو وحی کے ذریعہ سے دنیا میں نازل ہوئیں اسلئے اس نے انسانی دماغ میں وہ وسعت پیدا کی جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ خود عرب کو دیکھو کہ ایک جاہل اور وحشی قوم تھی لیکن ان کی کیا حالت ہوگئی کہ ایران و روم کی سلطنتیں جن کی شوکت و قوت کا سکّہ دنیا پر بیٹھا ہوا تھا ان کی تمدّنی عظمت کو سجدہ کرنے لگیں۔ اور وہ علوم و فنون و تہذیب میں کس بلند رتبہ پر پہونچ گئے۔ اور دنیا میں کیا کچھ انہوں نے کر دکھایا۔

یورپ جو آجکل معراج ترقی پر ہے اس کو جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ مسلمانوں سے حاصل ہوا۔

الغرض جس طرح رات کی سنسان تاریکی کے بعد سورج کے نکلنے سے دنیا میں روشنی

اور ہلچل پیدا ہو جاتی ہے۔اور زندگی معلوم ہونے لگتی ہے اسی طرح قرآن بھی ایک آفتاب ہے جس نے دنیا سے جہالت اور توہم پرستی کی ظلمت کو مٹا دیا۔ اور عقائد و خیالات اور اخلاق و آداب کے علاوہ اصول سلطنت و تمدن کو روشن و منور کر کے ایک عظیم الشان انقلاب عالم میں پیدا کر دیا۔ گمراہوں کے لئے وہ شمع ہدایت ہے۔ اور روحانیت کے پیاسوں کے لئے چشمۂ آبِ حیات۔ شعر

در ہر زمیں کہ رائحۂ زلفِ او رسید بخشید صد ختن بہ نسیمے مشام را

فریضۂ ملیہ

قرآن آسمانی رحمت۔ سرچشمۂ ہدایت اور ذریعۂ سعادت دارین ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسکے بارے میں فرمایا ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ ۱۱/۵۸	لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور اس بیماری کی شفا جو دلوں میں ہے اور مومنین کے لئے رحمت اور ہدایت آچکی۔

دوسری جگہ ارشاد کیا ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۞ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ لا وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۞ ۱۷۴/۱۲	لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حجت آچکی۔ اور ہم نے نمایاں روشنی تمہاری طرف اُتار دی اب جو لوگ اللہ پر ایمان لائینگے اور اسکو مضبوط پکڑینگے وہ انکو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کریگا۔ اور اپنی طرف سیدھا راستہ دکھا ویگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اُمت کو جو وصیت فرمائی تھی اُس کا ایک فقرہ یہ بھی ہے۔

لوگو! میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑتا ہوں کہ جسکو اگر مضبوط پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ قرآن ہے۔

اقوام عالم کو آگاہ کرنے اور اُن کے پاس پہونچانے کے لیے پیغمبر کو جو پیغام دیا گیا تھا وہ یہی قرآن ہے۔

قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ قف وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط ۱۹/۶	اے پیغمبر کہدے کہ میرے اور تمہارے درمیان میں اللہ گواہ ہے اور مجھ پر یہ قرآن بذریعہ وحی کے اُتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے میں تمکو اور ان لوگونکو جن کو یہ پہونچے آگاہ کروں۔

تبلیغ رسالت جسکے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مامور فرمائے گئے تھے اسکا سرمایہ یہی قرآن ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ط ۵/۱۰	اے رسول جو کچھ تیرے رب کے پاس سے تیری طرف نازل کیا گیا ہے وہ لوگونکو پہونچادے اور اگر تونے ایسا نہیں کیا تو اس کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔

اللہ تعالے نے اسی قرآن کو اُمت اسلامیہ کے لئے دستور العمل مقرر کیا اور فرمایا۔

اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ط ۸/۲	اُسی کی پیروی کرو جو تمہارے رب کے یہاں سے تمہاری طرف اُتارا گیا ہے۔ اور اسکے سوا اور مولاؤں کی پیروی نہ کرو۔

جبتک نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود رہے وہ اس کتاب کے مبلّغ اور اُمت اسلامیہ کے شاہد

رہے۔ ان کے بعد اللہ تعالے نے اسکا وارث اپنے منتخب بندوں کو بنایا اور فرمایا۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج ۳۵/۳۱	پھر ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو اس کتاب کا وارث ٹھیرایا۔

پیغمبر کے بعد یہی حاملین دوارثین قرآن اقوام عالم کے لئے مبلغ اور شاہد قرار پائے۔ اللہ تعالی نے فرمایا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۲/۱۳۷	اسی طرح ہم نے تم کو سب سے بہتر اُمت بنایا کہ لوگوں پر تم گواہ رہو اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہے۔

اس خیرِ اُمت کی خصوصیت امتیازی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصل مفہوم یہی ہے کہ قرآن کی تعمیل تعلیم تبلیغ اور اشاعت کرے۔ یہی مسلمانوں کا فریضہ ربّی قرار دیا گیا۔ اور وعدہ کیا گیا کہ اگر تم اس پر قائم رہوگے تو تمکو عقبیٰ میں فلاح اور دنیا میں خلافت دیجائیگی۔ چنانچہ جبتک مسلمان اس فریضہ کو ادا کرتے رہے اللہ تعالیٰ انکو عروج پر عروج دیتا رہا۔ اور ایسے بلند درجہ پر پہونچایا کہ جس پر آجتک دنیا کی کوئی قوم نہیں پہونچ سکی۔ لیکن زمانۂ بعد میں اُمت اسلامیہ پر ایک عام غفلت چھاگئی۔ اور وہ اس فرض کی ادائیگی کو چھوڑ بیٹھی۔ سلاطین اور امراء دولت جاہ کے نشہ اور عیش پرستی میں پڑ گئے۔ انکو قرآن کی تبلیغ سے کوئی سروکار نہ رہا۔ زاہدوں اور صوفیوں کا دارمدار بزرگوں کے ملفوظات پر رہ گیا۔ اور علماء دین اپنی ضرورتوں کے لئے عقائد اور فقہ کی چند کتابوں کو کافی سمجھنے لگے۔ انھیں کی تعلیم وتدریس ہونے لگی اور انہیں سے فتاوے لکھے جانے لگے اور قرآن عملاً اور علماً متروک ومہجور ہوگیا۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔

کیا عجیب بات ہے کہ علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں بہت سے لغو اور بیکار فنون کی تو چار چار پانچ پانچ کتابیں ہیں لیکن قرآن کریم جسکو اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے لئے اصل

دینی نصاب مقرر فرمایا اس میں ندارد ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ کی
ایک معمولی تفسیر اس طرح پر پڑھا دی جاتی ہی کہ اس سے پڑھنے والوںمیں کبھی قرآن کا ذوق
صحیح نہیں پیدا ہوسکتا۔ یہی وجہ ہی کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ کے ہندوستان کے اکثر علمار
علوم قرآنیہ سے بے خبر اور اسکے ذوق سے نا آشنا ہیں۔

سادات اور کبرار اُمّت کا جب یہ حال ہی تو عوام کا کیا پوچھنا۔ انکے نزدیک تو قرآن صرف
تلاوت اور برکت کے لئے ہی اور بس۔

پیغمبر نے جو شکایت اپنی قوم کی کی تھی آج تمام اُمت کے حق میں وہ صحیح ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ۲۵/۳۲	پیغمبر نے کہا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو متروک سمجھ لیا۔

ہمارا یہ فرض تھا کہ ہم جس امانت کے حامل اور جس کتاب کے وارث اور مبلغ قرار دیئے گئے تھے
اسکو اقوام عالم تک پہونچاتے۔ لیکن اَوروں کے پاس پہونچانا تو درکنار ہم خود اسکو چھوڑ بیٹھے
اور مسلمانوں کو بھی مسلمان نہ رکھ سکے۔ یہانتک کہ اُمّت کا بڑا حصّہ نہ صرف شرک و بدعت و
رسم پرستی میں مبتلا ہوکر گمراہ ہوگیا بلکہ قرآن سے جاہل رہنے کی وجہ سے انکے عقائد اور خیالات
میں تفریق پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے اُمت کی وہ وحدتِ دینی جسکو قرآن نے پیدا کیا تھا مٹ
گئی۔ اور فرقہ فرقہ ہوکر اس کا شیرازہ بکھر گیا۔

قرآن چھوڑنیکا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہ بھی عیاں ہی کہ دین کے ساتھ دنیا بھی گئی۔ اسی اُمت
کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝ ۴/۱۴۰	اللہ تعالیٰ ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر راہ نہ دیگا۔

لیکن آج مسلمان روئے زمین کے اکثر حصّہ میں کفار سے مغلوب و رخستہ حال ہیں اور دشمنوں کی محکومی کے سخت دردناک قومی عذاب میں گرفتار اور اقوام عالم کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہیں۔

ہمارے سلف کہہ گئے ہیں۔

لا یصلح اخر ھذہ الامۃ الا بما صلح اولھا | اس اُمت کے پچھلوں کی اصلاح بھی اسی سے ہوگی جس سے اگلوں کی ہوئی تھی۔

لہذا علماء اُمّت کا فرض ہے کہ اس مبارک کتاب کی تعلیم و اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں۔ اس پر خود عمل پیرا ہوں۔ اور نمونہ بنکر اُمّت سے عمل کرائیں۔ پھر دیکھیں کہ جو وعدے اللہ تعالےٰ نے کئے تھے وہ کس طرح پورے نہیں ہوتے۔ اس نے خود فرمایا ہے۔

اَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۲/۳۸ | تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کرونگا

اب میں اپنی نظم **شمع ملت** کا آخری بند نقل کرکے سلسلۂ کلام ختم کرتا ہوں۔

چھوڑ کر قرآں کو مسلم حق سے بیگانہ ہوا — دیں کو بھی رُسوا کیا اور آپ بھی رُسوا ہوا
وہ کتابِ آسمانی مشعلِ راہِ نجات — نور کا اک چشمۂ روشن ہے جو بہتا ہوا
نسخۂ اکسیر جاں دارو لئے بیماریِ دل — رحمتِ حق کا صحیفہ عرش سے اُترا ہوا
ظلمتِ باطل ہوئی کافور جسکے نور سے — آشکارا شانِ حق کا دہر میں جلوا ہوا
گلّہ باں جس کی بدولت نائبِ حق ہو گئے — بوسہ گاہِ بادشاہاں جنکا نقشِ پا ہوا
آج بھی موجود ہی ہم میں وہی شمعِ ہدیٰ — کاش آئے راہ پر پھر کارواں بھٹکا ہوا
دیکھنا تم رقصِ مجنوں کا تماشا دشت میں — سامنے اسکے اگر پھر محملِ لیلےٰ ہوا

نور سے معمور پھر سارا جہاں ہو جائیگا
آسماں سے ابرِ رحمت دُرفشاں ہو جائیگا

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْاَمِيْنِ

تصانیف مولٰنا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

تاریخ الامّت - آغاز اسلام سے اُمّت اسلامیہ کی تاریخ۔ نہایت معتبر سلیس اور مفید ہے اُصول تاریخ نویسی کے مطابق لکھی گئی ہے۔ اسمیں واقعات کے اسباب اور نتائج دکھائے گئے ہیں۔ یہ کتاب قومی تعلیم کے نصاب میں داخل ہے۔ اور اس کا سلسلہ تقریباً دس حصّوں میں پورا ہوگا۔

حصّہ اوّل - اس میں فن تاریخ پر ایک مقدمہ۔ عرب کی مختصر تاریخ اور اس کا جغرافیہ ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت ہے۔ قیمت فیجلد عہ

حصّہ دوم - اسمیں خلافت راشدہ یعنی چاروں خلفاء راشدین کی مفصل تاریخ ہے قیمت فیجلد عہ

حصّہ سوم - خلافت بنی اُمیہ کے حالات ہیں۔ قیمت فی جلد - - - - عہ

حیات حافظ - خواجہ حافظ شیرازی کی سوانح عمری۔ انکی شاعری پر عالمانہ تبصرہ۔ اور اُنکے دیوان سے جو فالیں نکالی گئیں اُنکے تاریخی حالات - قیمت فیجلد عہ

حیات جامی - مولانا جامی کی زندگی کے حالات۔ اُنکی تصانیف پر تنقید۔ اور انکی شاعری پر بحث کی گئی ہے۔ قیمت فی جلد - - - - - - - - ۸ر

خواتین - اس میں ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک کی تیئیس ۲۳ مشہور مسلمان خاتونوں کے معتبر تاریخی حالات ہیں۔ قیمت فی جلد - - - - عہ

جہان آرا - یہ کتاب مولوی محبوب الرحمن صاحب مرحوم بی اے۔ وکیل کی لاجواب تصنیف ہے اسمیں شاہجہاں بادشاہ کی فاضلہ بیٹی جہان آرا بیگم کی زندگی کے حالات ہیں قیمت فیجلد ۸ر

الفرائض - اس کتاب میں اہل سنت کا قانون وراثت نہایت سلاست اور اختصار کے ساتھ مکمل طور پر لکھا گیا ہے قیمت فی جلد - - - - ۸ر

ملنے کا پتہ:- مہتمم مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ